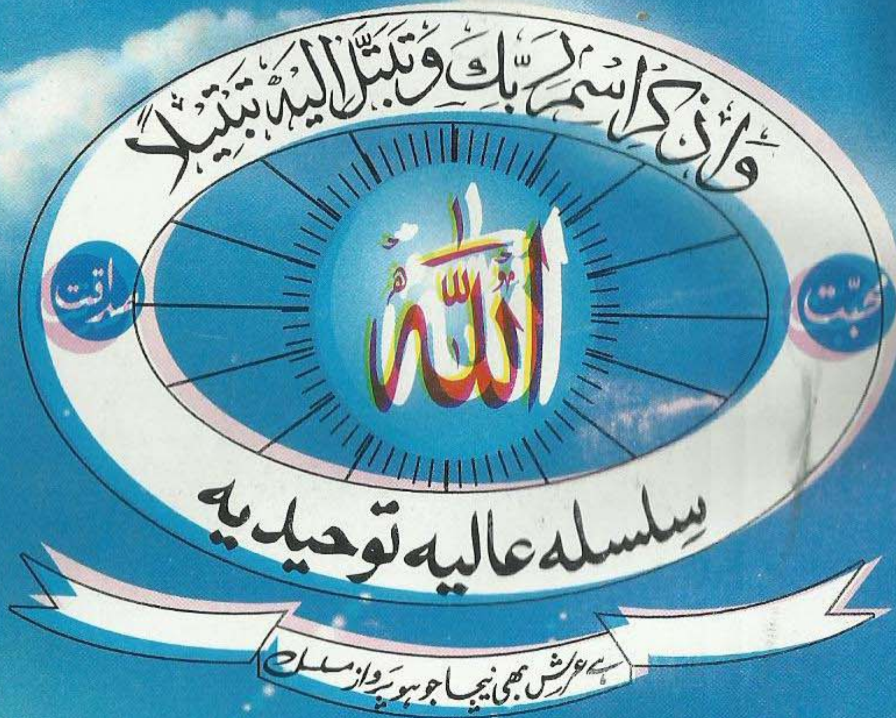
جلد 15 شمارہ 7 جولائی 2013ء شعبان / رمضان 1434ھ



ماہنامہ

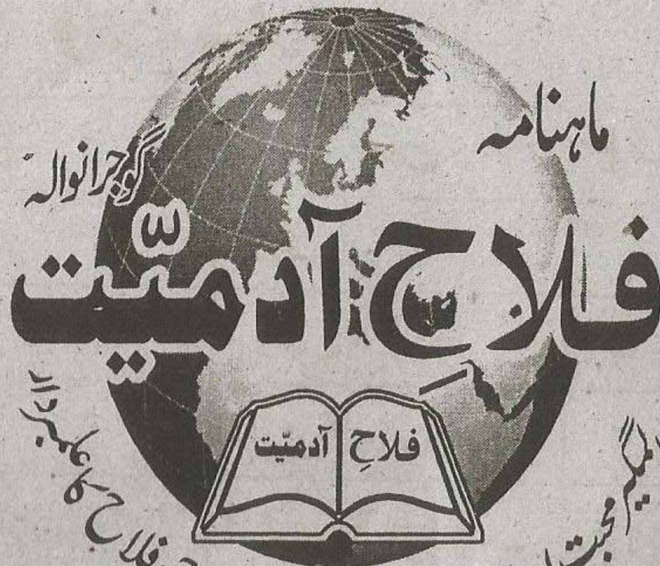
فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض ومقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف وکرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب وعرفان اور اس کی رضا ولقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد وبغض، تجسّس وغیبت اور ہوا وہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم ورضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل وعیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح وخدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت گوجرانوالہ



عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران
وسرپرست
محمد صدیق ڈار
توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
0300-6493335

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835/055-4005431
فیکس نمبر: +92-55-3736841 ای میل:info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے  سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

دل کی بات

ماہِ رمضان المبارک بے مثال فیوض و برکات کے ساتھ ہماری زندگی میں آیا ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہمیں ان بابرکت لمحات سے مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمایا ہے۔ خوش نصیب لوگ یقیناً اس مہینے میں بھرپور روحانی ثمرات سمیٹ لیں گے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے وابستہ ہمیں ماہِ رمضان کی اہمیت کو خاص طور پر ملحوظِ خاطر رکھنے کی ضرورت ہے۔ سال بھر میں یہی مہینہ ہے کہ جس میں تمام تر حالات ذکر اذکار میں پختگی، غصہ و نفرت کی نفی کرنے، اور محبت اور صداقت کو اپنانے کیلئے خاص طور پر معاون ثابت ہوتے ہیں۔ یہ مہینہ ہمیں موقع عطا کرتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت میں، اس کے قرب، عرفان، لقاء، اور دیدار کی خاطر اپنی سعی کو مستحکم سے مستحکم تر کر لیں۔ ہماری خواہشات اور سوچوں کے تمام تر زاویے اسی ماہ بہترین انداز سے از سرِ نو ترتیب پا کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی محبت اور اس کے رنگ میں رنگے جا سکتے ہیں۔ ہمارا ہر عمل حسابی شمار میں کئی کئی گنا بقدرِ خلوص بڑھا دیا جاتا ہے۔ پورے سال میں ہمیں جو بھی روحانی فائدے ہوتے ہیں وہ ہمارے کچھ نہ کچھ مثبت سرگرمیوں کے کرنے سے ہوتے ہیں مگر یہ وہ خاص مہینہ ہے جس میں ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے۔

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی روزہ کے بارے میں دو احادیث قدسی بیان کر کے ان کی کچھ اس طرح تشریح فرماتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا ہوں"۔ اسی طرح دوسری حدیث قدسی کے مطابق ارشادِ ربانی ہے کہ "روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔" قبلہ بابا جان فرماتے ہیں کہ ہمارے لئے ان دونوں احادیث مبارکہ میں ہی خوشخبری ہے۔ ایک تو یہ کہ جب ہم روزہ کی حالت میں اپنے آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں تو وہ ذات بے مثال خود اپنے آپ کو اس کی جزا میں پیش فرماتا ہے۔ ہم بھی تو اسی راہ میں نکلے ہیں کہ اللہ کو پالیںا

ہے،اس ماہ تو وہ خود اپنے آپ کو جزا میں پیش فرما دیتا ہے۔دوسری حدیث قدسی کے مطابق روزہ اللہ کیلئے ہے اور وہ خود ہی اس کی جزا دیتا ہے۔روزہ کے بارے میں ہی آخر یہ کیوں فرمایا گیا کہ میں خود ہی اس کی جزا دوں گا؟ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ باباجان محمد صدیق ڈار صاحب فرماتے ہیں کہ روزہ کی حالت میں صرف خورد ونوش سے ہی ہاتھ روک لینا نہیں ہوتا بلکہ تمام تر منکرات اور بہت سی جائز اور حلال کردہ باتوں سے بھی رُک جانا ہوتا ہے۔ان منکرات اور جائز مگر روزہ کی حالت میں ممنوع امور کی فہرست بہت طویل ہے۔غیبت، بدگمانی ،لغویات ،نفرت ،غصہ،عیب جوئی ،۔۔۔جیسے کئی اموراس میں شامل ہیں۔اللہ تعالٰی کی ذات اقدس خود ہی ان باتوں سے آگاہ ہے کہ روزہ دار کس جذبہ اور خلوص کے ساتھ کن کن باتوں سے بچتا رہا ہے۔فرشتوں کا دفتر اعمال ایسی باتوں کے لکھے جانے سے قاصر ہے کہ روزہ دار نے کون کون سے کام نہیں کیے۔فرشتوں نے تو شاید وہی کام لکھنے ہیں جو کیے گئے، نہ کیے گئے کاموں کی طویل فہرست سے فرشتوں کے دفتر اعمال میں کچھ نہیں لکھا جاتا۔یہ اللہ تعالٰی کا لازوال علم ہے جو اس بات کا احاطہ کرتا ہے۔صرف اللہ تعالٰی ہی اس سے باخبر ہوتا ہے اور وہ اس کی جزا دے سکتا ہے۔اسی لئے روزہ کے بارے میں فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔سبحان اللہ۔

اصل بات تو پوری استقامت اور ہمت سے عمل پیرا ہونے کی ہے۔رمضان المبارک میں روزہ صرف ایک عبادت ہے۔اس مہینے کہ ہر ساعت خاص ہے۔اسی مہینے میں **لیلۃ القدر** ہے جسے قرآن کریم میں ہزار سال سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔اللہ تعالٰی ہمیں رمضان المبارک کی ہر گھڑی سے بہترین انداز میں مستفیض ہونے کی توفیق ،شوق ،اور استقامت عطا فرمائے۔آمین!

ہمارے محسن بانئ سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کا یوم پیدائش (۲۹ جولائی) بھی اسی ماہ رمضان میں آرہا ہے۔سابقہ روایات کی طرح اس سال بھی ہمیں اپنے ہادی و محسنؒ کے یوم پیدائش کے موقع پر آپؒ کی تعلیمات اور خدمات کا اعادہ کرتے ہوئے،

آپؒ کی روح کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی اور فاتحہ کا اپنے اپنے حلقہ جات کی سطح پر اہتمام کرنا ہے۔ اپنے محسن بانیٔ سلسلہؒ کی محبت میں ان کے یوم پیدائش کا اہتمام خود ہمارے لئے کئی طرح سے فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ ہمارے لئے اس کا سب سے بڑا فائدہ اس دعوت کا نئے لوگوں تک پہنچنے، اور ان کے اس پر عمل پیرا ہوکر ہمارے لئے صدقہ جاریہ کی صورت میں ہوسکتا ہے۔ وگرنہ جہاں تک حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی روح کے ایصال ثواب کا معاملہ ہے تو تمام توحیدی بھائی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ آپؒ کے سلسلہ سے وابستہ سالکین راہ طریقت جو مبتدی سے لے کر اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز اولیاء اللہ کی صورت میں موجود ہیں، وہ ہر روز بلا ناغہ حضور نبی کریم ﷺ کی پاک اور مبارک روح کے توسل سے آپؒ کی روح کو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ آپؒ کی وفات سے آج تک قائم ہے اور اس وقت تک کبھی منقطع نہیں ہوسکتا جب تک آپؒ کا جاری فیض سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں موجود ہے۔ یہ ایصال ثواب اس صدقہ جاریہ کے علاوہ ہے جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی صورت میں ہمیں نصیب ہوا ہے۔ جس کی تعلیم نے ہمارے قلب و روح کو معطر کر کے ہمارے کردار میں اخلاص پیدا کر دیا ہے اور ہمیں وہ روحانی سکون و اطمینان بخشا ہے جس کی نظیر ناپید ہے۔ دنیا اپنی تمام تر مادی اور سائنسی ترقی کے باوجود جس کی متلاشی ہے، جو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والے مبتدیوں کو ہی نصیب ہوجاتی ہے، اور اعلیٰ مراتب پر فائز بزرگ ہستیوں کو جو کچھ ملتا ہے اس کا تو بیان ہی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں بیان کردہ اعلیٰ ترین نعمتیں عطا فرمائے اور ہمیں صحیح معنوں میں اس اخلاق و کردار کا حامل بنائے۔ آمین یا رب العالمین!

والسلام

احمد رضا خان

مدیر

درسِ قرآن: سورۃ الدُّخان آیت ۱ تا ۹ (سید قطب شہیدؒ)

حم (1) وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ (2) إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ (3) فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ (4) أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ (5) رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (6) رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ (7) لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ (8) بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ (9)

ترجمہ: "حامیم۔قسم ہے اس کتابِ مبین کی۔بے شک اتارا ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں۔بلاشبہ ہم خبردار کرنے والے ہیں۔اس رات میں ہمارے حکم سے ہر معاملہ کا حکیمانہ فیصلہ کیا جاتا ہے۔بلاشبہ ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں۔اور یہ آپ کے پروردگار کی رحمت کی بنا پر تھا۔یقیناً وہی بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے سب چیزوں کا مالک ہے،اگر تم واقعی یقین کرنے والے ہو۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔تمہارا رب ہے اور تمہارے پہلے آباء کا ربّ ہے مگر وہ اس معاملہ میں شک میں پڑے کھیل رہے ہیں"۔

قرآن کا نزول ایک مبارک شب میں ہوا تھا:

سورت کی ابتدا حروف مقطعات ،حامیم، کے ساتھ ہوئی ہے اس طور سے کہ ان کی قسم کھائی گئی ہے اور اس کتاب مبین کی بھی قسم کھائی گئی ہے۔ان حروف کی قسم اور کتاب کی قسم کے متعلق یہ جان لیجئے کہ ہر حرف اللہ کی آیات میں سے ایک آیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بولنے کی قدرت بخشی اور حرف میں اور اس کی آواز میں بھی ایک اشارہ ہے۔

جس بات پر قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے ایک مبارک رات میں اتارا،اس مقام پر اس رات کو **لَيْلَةٍ مُّبَارَكَه** کہا گیا اور سورۃ القدر لیلۃ القدر یعنی بڑی

قدر ومنزلت والی رات ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں دل سے حاضر ہوتا ہے، اپنے ربّ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے اور نور وصال سے لذّت حاصل کرتا ہے۔ یہ وہ رات جس میں بڑے اہم امور کے فیصلے کیے جاتے ہیں۔ یہ فیصلے سراسر حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ کائنات کے نظم ونسق کے بارے میں یہ ایک ایسی رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ افراد، اقوام اور ملکوں کی قسمتوں کے فیصلے کر کے فرشتوں کے حوالے فرمادیتا ہے پھر وہ انہی فیصلوں کے مطابق عملدرآمد کرتے رہتے ہیں۔ یعنی زندگی اور موت، فتح وشکست، عروج وزوال، قحط اور ارزانی وغیرہ سے متعلق فیصلے اسی رات میں کردیئے جاتے ہیں۔ یقیناً جو فیصلے بارگاہ الٰہی سے صادر ہونگے وہ خیر وبرکت کے حامل ہونگے۔ قرآن کریم کے نازل کرنے کا مقصود یہ تھا کہ اس سے تمام اہل عالم کو ان کے انجام سے خبردار کیا جائے اور ان کی گمراہی اور بُرے اعمال کی سزا سے انہیں ڈرایا جائے۔

نزولِ قرآن کی رات کی برکت کس حیثیت سے تھی؟

حقیقت یہ ہے کہ انسانیت پر اس رات میں فضل وکرم خداوندی کا ایک دروازہ کھلا تھا۔ ایسی رات اور کوئی بھی نہیں، نہ ہوسکتی ہے۔ اس صورت میں انسانوں کا اتصال کائنات کے ان عظیم قوانین کے ساتھ ہوا تھا۔ فطرت انسانی اگر صالح ہو تو ان قوانین کی استجابت کرتی ہے اور بخوشی انہیں لبیک کہتی ہے۔ فطرت ان قوانین پر ایک مضبوط انسانی جہان کی بنیاد رکھتی ہے ان قوانین کے باعث انسان ساری کائنات ارضی وسماوی کے ساتھ متوازن ہوجاتا ہے اس میں طہارت اور باقاعدگی پیدا ہوجاتی ہے

قرآن کے مخاطب اوّل جن کے سامنے اس کا نزول ہوا تھا وہ آسمان کے سائے میں ایک عجیب زندگی گزارتے تھے جس کا براہ راست تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے ساتھ تھا۔ قرآن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایات دیتا تھا کہ میری رحمت وفضل کی نگاہ تم پر ہے خود ان کو اس خدائی نگرانی کا پورا احساس تھا، وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھاتے تھے مبادا کوئی ایسی حرکت ہوجائے جس سے انسان اور خالق کا باہمی تعلق متاثر ہوسکے۔ ان کا توکل واعتماد اللہ پر تھا وہ ہر وقت اسی سے التجائیں کرتے اور اسی کی رہنمائی میں چلتے تھے۔

قرآن ہر نسل و قوم اور ہر زمان و مکان کے لئے ہدایت ہے :

قرآن ایک کتابِ مفتوح کے طور پر انسانی قلب وضمیر کی رہنمائی کے لئے زمان و مکاں کی حدود سے ماورا موجود ہے اور رہے گا اس کا اثر بے مثال ہے ۔ یہ اثر شعوری ہے، اور اس میں رفعت وعظمت ہے ۔ یہ قرآن ہر علاقے ، ہر ملک وقوم ہر زمان ومکان اور ہر معاشرے میں ایک صالح ،متوازن انسانی معاشرہ قائم کرسکتا ہے ، کیونکہ یہ صرف عبادات اور رسوم کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں اوامر ونواہی ،قوانین سیاست معاش ، معاشرت ، اخلاق سب کچھ موجود ہے ۔ انسانی قوانین میں تصنع ، جانبداری تجاوز ،ظلم وستم ، غیر انسانی عناصر پائے جاتے ہیں جن سے قرآن مجید پاک ہے اس کا خطاب کسی خاص زمانے ،قوم ، ملک وملت ،علاقے اور حالات سے نہیں ہے ۔ اس میں بقاء ودوام ہے ۔ اسی لئے اس قرآن کو اللہ تعالی نے فیصلہ کن اور فرق اور امتیاز قائم کرنے والا قرار دیا ہے ۔" اور اس نے انسان کو اس کی غفلت ونسیان سے بیدار کیا ہے" ۔

قرآن کا بتایا ہوا فرق و امتیاز :

قرآن نے حق وباطل میں فرق ، درست اور غلط عقائد میں امتیاز پیدا کیا ۔ عبادات کی صحیح شکل وصورت قائم کی اور شرک وکفر کو مٹایا ، اخلاقی فضائل و رذائل میں فرق کیا ۔ انسانی معاملات میں صحیح اور غلط امتیاز بتایا ۔ حدود مقرر کیں ۔ قوانین قائم کئے ،نشان ہائے راہ ٹھہرائے ۔ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کی حقوق اللہ وحقوق العباد کی تفاصیل بیان کیں ۔

یہ سب کچھ اللہ کے امر و رحمت کے ساتھ ہوا :

رحمت الٰہی کا ظہور جس طرح نزول قرآن کے ذریعے سے ہوا تھا اور کسی ذریعے سے نہیں ہوا ۔ قرآن کا اثر انسانی وجود پر ہوتا ہے ۔ قرآن رحمت خداوندی کو قلب بشری کے ساتھ بہت جلد ملا دیتا ہے اور اس کی استجابت اتنی تیز اور اتنی کامل ہوتی ہے جتنی کہ رگوں میں

دوران خون کی ہے۔دوران خون سے ظاہری زندگی متعلق ہے اور قرآن کے ساتھ روحانی اور باطنی زندگی کا تعلق ہے۔قرآن انسانی وجود کو ایک انسان کریم بنا دیتا ہے۔

اگر تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ کائنات میں موجود ساری مخلوق کی ربوبیت عامہ کی تمام ذمہ داری صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو پھر تمہیں یہ بھی یقین کر لینا چاہیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کو فی الواقع اللہ تعالیٰ نے ہی تمہاری ہدایت کیلئے بھیجا ہے کیونکہ وہ تمہاری جسمانی تربیت کا ہی ذمہ دار نہیں بلکہ تمہاری روحانی تربیت اور تمہیں ہدایت کی راہ بتانا بھی اس کے ذمہ ہے۔

قرآن کو نازل کرنے والے خدا کی بعض صفات کاملہ :

قرآن کا نزول اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت ہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔قرآن میں روحانی ،اخلاقی اور خالص دینی تربیت کے ساتھ ساتھ دنیوی و مادی تربیت کا سامان بھی ہے۔طہارت ونظافت کے احکام بھی ہیں۔کسب حلال، نکاح وطلاق، تربیت اولاد اور باہمی معاملات کے وسیع احکام بھی۔لوگ یہ تو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ خالق کائنات اور رزاق ہے، مگر پھر بھی اس کے سوا عبادت کے لئے اوروں کو ربّ بناتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ خلق بہت سطحی تھا۔اگر اس میں گہرائی اور گیرائی ہوتی تو یہ اضطراب نہ ہوتا اور وہ یقین وثبات سے یوں دور نہ ہوتے پھر فرمایا ہے کہ وہی اللہ زندگی اور موت کا مالک ہے اور یہلوں کا ربّ ہے۔

زندگی کے منظر کی مانند، موت کا سفر ہی اپنی ہر شکل وصورت میں انسانی قلب کو ہلا ڈالتا اور اس پر شدید اثر کرتا ہے۔اسے دیکھ کر ہر انسان چند لمحات کے لئے تو اس دنیا اور اپنے سارے ماحول سے بیزار ہو جاتا ہے اس کے قلب ونظر میں جوش اور استجابت کے جذبات پیدا ہوجاتے ہیں اور وہ اس منظر سے بہت متاثر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے اور وہ انسان کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے تا کہ وہ غفلت سے بیدار ہو۔اس کے شعورو ادراک میں حرکت پیدا ہو اور اس کا دل نصیحت پذیری پر آمادہ ہو جائے۔

افسوس کے انسان شک اور لھو و لعب میں پڑا ھے :

یہ کافر لوگ درحقیقت نورِ یقین سے محروم ہیں۔ان کا یہ کہنا کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے،ان کے دل کی آواز نہیں ۔حالات کی سنگینیاں جب انہیں اپنے نرغے میں لے لیتی ہیں،اس وقت وہ اپنے معبودِ باطل کو بے بس پاتے ہیں تو مجبوراً مان لیتے ہیں کہ اس عالم کا کوئی خالق ہے ۔جب حالات کی شدّت میں کمی ہونے لگتی ہے تو پھر وہ اپنے پُرانے کفر کی طرف لوٹ آتے ہیں ۔شک کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں،زندگی کو انہوں نے ایک دل لگی سمجھ رکھا ہے۔ جسم و نفس کی ضروریات پوری ہوتی رہیں تو پھر انہیں کسی اور چیز سے سروکار نہیں ۔اللہ کو ماننا نہ ماننا ان کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں ۔انکی ساری توجہ اور ساری کوششیں ایک نقطہ پر مرکوز ہیں اور وہ ہے انکی معاشی خوشحالی ۔اس کے علاوہ تمام چیزیں کھیل اور مذاق ہیں ۔حقائق کا سامنا حقیقت پسندی سے کرنے کے لئے تیار ہی نہیں ۔رسول اللہ ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ ان کو ایک سخت ہولناک دن کے لئے چھوڑ دو۔اس دن آسمان ایک واضح دھواں پیش کرے گا جو ایک عذاب الیم کی شکل میں لوگوں کو گھیر لے گا۔

طاعت: بیعت ہوتے ہی انسان کی زندگی بدل جاتی ہے اور وہ بالکل دوسرا جنم لے لیتا ہے اور نیا انسان بن جاتا ہے (بشرطیکہ وہ سچا طالب ہو) اِس نئی زندگی میں اس کو کامیابی اِسی وقت ہوسکتی ہے جب کہ وہ لفظاً لفظاً شیخ کا ہر حکم بے چون و چرا مانے ۔ جو جس قدر زیادہ خلوص سے حکم مانتا ہے اتنا ہی جلدی کامیاب ہوتا ہے اور اتنے ہی زیادہ بلند مراتب تک پہنچتا ہے۔اِس لئے بیعت کے بعد سب سے پہلی چیز جو اختیار کرنی چاہئے وہ طاعت ہے۔ (اقتباس از طریقت توحیدیہ)

روزہ

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

اسلام کی تمام عبادتوں میں صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کی نقل کرتا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ خوردونوش سے پاک ہے، اسی طرح روزہ دار بھی رمضان کے دنوں میں صبح سے شام تک نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت پر کچھ دیر کے لئے عمل کرتا ہے۔ اگر روزہ دار اس نکتہ کو ملحوظ رکھے تو اللہ تعالیٰ دن بھر اس کو یاد رہے گا اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے، اس سے روزہ کو چار چاند لگ جائیں گے۔

2۔ پاکیزگی اور طہارت روزے میں لازمی ہے۔ روزے میں نہ صرف جسمانی بلکہ قلبی پاکیزگی بھی بہت ضروری ہے۔ مہینہ بھر قلب کو پاکیزہ اور گندے خیالات سے بچائے رکھنے سے اس قدر روحانی لطافت اور طاقت پیدا ہوتی ہے جو برسوں میں بھی نہیں ہوسکتی۔

3۔ صبر و تحمل اور قوت برداشت پیدا کرنے کی بڑی مشق ہوتی ہے جو اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کیلئے سب سے ضروری ہے، مگر افسوس کہ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ روزے میں مسلمانوں کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور اس کے گھناؤنے مظاہر، ہر گھر میں دیکھنے میں آتے ہیں ایسے روزے سے کیا فائدہ؟ روزے میں تو غصہ بالکل مر جانا چاہئے، مگر یہ تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ روزے میں اللہ یاد ہو۔

4۔ بھوک پیاس کو روکنے یعنی باوجود بھوک پیاس کے کچھ نہ کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں کو نفی کرنے سے قوت ارادی بہت بڑھ جاتی ہے اور یہ چیز بھی اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

5۔ نماز کی طرح روزہ بھی ادائیگی فرض کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ خواہ کتنی

تکلیف اور مشقت آن پڑے فرض کو پورا کر کے دم لو۔

6۔غریبوں کی بھوک پیاس اور فاقہ زدگی کا احساس اور ان کی مدد اور خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو تنظیم وارتباط ملت کے لئے بہت ضروری ہے۔

7۔گردوپیش کے تمام مسلمانوں کو روزے کی حالت میں دیکھ کر نادانستہ طور پر یک جہتی اور اجتماعیت کی روح ترقی کرتی ہے۔

8۔دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہوئے جب انسان اپنے روزمرہ کے کام انجام دیتا رہتا ہے مثلاً کوئی دفتر میں کام کرتا ہے، کوئی کارخانے میں، کوئی ہل چلاتا ہے، کوئی پتھر توڑتا ہے تو اس سے مشکلات میں رہتے ہوئے بھی عمل کرنے کی بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے۔

9۔رمضان کے بعد عید کے دن جب سب مسلمان نماز کے لئے جمع ہو کر خوشی مناتے اور بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں تو اس سے نہ صرف آپس کی محبت واخوت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی صحیح قدر بھی ذہن نشین ہوتی ہے۔

10۔ماہ رمضان کا مجاہدہ یہ سکھاتا ہے کہ اگر تم زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یعنی دنیاوی راحت و آسائش حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاؤ، نفسانی خواہشوں پر قابو حاصل کرو، اخوت ومحبت سے رہو، صبر یعنی برداشت کی قوت پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہوئے برابر عمل کرتے چلے جاؤ۔ آخر میں تم دیکھو گے کہ تمہارا ہر روز روزِ عید ہے اور ہر شب شب برات۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں نمازیوں کی نسبت روزہ دار بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اوباش اور عیاش بلکہ چور اور ڈاکو تک رمضان کے مہینے میں پکے روزہ دار بلکہ پرہیز گار بن جاتے ہیں، لیکن ادھر رمضان ختم ہوا ادھر سب برائیاں اسی طرح موجود۔ یہ کیا بات ہے؟ کیوں ان لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دراصل ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل نہیں، یعنی عقائد کی بنیاد کمزور ہے تو باقی عمارت کس طرح مضبوط ہو سکتی ہے۔ روزے کے دوران بلکہ تمام رمضان میں شاید ہی صحیح طور پر کسی کو احساس ہوتا

ہو کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ بجائے صبر وتحمل اور قوت برداشت کے عام طور پر روزہ داروں میں گھبراہٹ، چڑچڑا پن اور غصہ بہت زیادہ پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ رمضان میں سینکڑوں مرتبہ یہ فقرہ سننے میں آتا ہے کہ ''اس سے نہ بولنا اس کو روزہ لگ رہا ہے'' یا '' اس پر اس وقت روزہ سوار ہے'' وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو! خدا کے لئے اتنا تو سوچو کہ عبادت کرتے بھی ہو، تکلیف اٹھاتے بھی ہو لیکن وہ مقصد حاصل نہیں کرتے جس لئے یہ سب کچھ فرض کیا گیا ہے۔ خدارا ذرا کوشش کرو، اپنی عبادتوں کو صحیح طور پر انجام دو تا کہ انفراداً اور اجتماعاً دونوں طرح دین اور دنیا میں سرخرو اور کامران ہو جاؤ۔

ایک کوشش

کہتے ہیں کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زندہ جلانے کیلئے ایک ہولناک آگ کا الاؤ روشن کیا تو چشم فلک نے دیکھا کہ ایک ننھا ابابیل اپنی چونچ میں دو تین قطرے پانی کے دبائے بڑے اضطراب کے عالم میں اس عظیم آگ کی طرف اُڑا جا رہا ہے۔ کسی نے پوچھا ''میاں اتنی بے تابی کے ساتھ کہاں جا رہے ہو''؟ بولا! ''نمرود کی آگ بجھانے جا رہا ہوں۔'' کہا: اے ناسمجھ پرندے کیا پانی کے یہ چند قطرے جو تمہاری چونچ میں ہیں، نمرود کی آگ بجھا سکیں گے؟ ننھا ابابیل بولا: ''مجھے معلوم ہے کہ میری یہ کمزور کوشش اس سلسلے میں کچھ بھی کام نہ دے گی لیکن ایک بات جو مجھے معلوم ہے وہ یہ ہے کہ جب نمرود کی آگ بجھانے والوں کی فہرست بنائی جائے گی تو اس میں میرا نام بھی ضرور شامل کیا جائے گا۔''

قندِ مکرر

اِنسان ، قرآن اور ماہ رمضان

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

جب تک انسان کی حقیقت اور اس کی زندگی کا مقصد معلوم نہ ہو دین اسلام کے احکام کی حکمت اور اہمیت اچھی طرح سمجھ میں نہیں آ سکتی۔قرآن کریم کے مطالعہ سے انسانی زندگی کی جو حقیقت سامنے آتی ہے۔وہ یہ ہے کہ اس کی ابتدا مادی دنیا سے نہیں ہوتی اور نہ ہی موت اس کا انجام ہے۔تمام انسانوں کی ارواح روز ازل ہی وجود میں آ گئی تھیں۔اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مطابق اپنی اپنی باری پر اس دنیا میں آ کر جلوہ گر ہوتیں اور مقررہ مدت بسر کرنے کے بعد واپس چلی جاتی ہیں۔قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم عطا فرما کر ملائکہ پر فضیلت عطا فرمائی لیکن ابلیس نے اس کی برتری تسلیم نہ کی اور اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔وہ نسل انسانی کا دشمن بن گیا اور اس کو صراط مستقیم سے ہٹانے کیلئے اپنی ذریت، لاؤ لشکر اور تمام حربوں سے لیس پوری طرح مصروف عمل ہے۔اللہ نے حضرت آدم اور حضرت حوا کو کچھ عرصہ کیلئے جنت میں رکھا تا کہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو جائیں۔اللہ نے انہیں واضح طور پر ایک درخت سے دور رہنے کا حکم فرمایا لیکن ابلیس نے انہیں نافرمانی پر اُکسایا۔ابلیس نے خود بھی اللہ کے واضح حکم کے باوجود سجدہ نہیں کیا تھا اور منطقی دلائل پیش کرنے کی وجہ سے مردود ہو گیا۔اس نے ان دونوں کو بھی مختلف دلائل دینے شروع کئے اور ساتھ ہی قسمیں کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلا کر فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔لیکن ابلیس جو اپنی غلطی پر اکڑ گیا کے برعکس آدم علیہ السلام نے ندامت کا اظہار کیا اور اللہ سے سیکھے ہوئے کلمات کے ذریعے سے مغفرت طلب کی اور اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔اس سے واضح ہو گیا کہ ازلی اور پیدائشی گناہ کا نظریہ درست نہیں ہے۔آدم علیہ السلام کو زمین کی خلافت عطا کرنے کیلئے ہی پیدا کیا گیا تھا۔اس لئے

انسان کواس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کیلئے نہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ گونا گوں اہلیتوں کے اظہار اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔ عالم ارواح ہی میں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک آنے والی تمام ارواح کو نکال کران سے اپنی ربوبیت کا پختہ عہد لےلیا تا کہ مادی دنیا کی بھول بھلیوں، عالم اسباب کے پردوں، نفس کی سرکشی اور سفلی لذت میں انہماک کی وجہ سے کوئی انسان اس وہم اور گمراہی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ میں بالکل آزاد اور اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ نہ کوئی میرا آقا اور رب ہے اور نہ ہی میں کسی کے سامنے اپنے اعمال کیلئے جوابدہ ہوں۔یا پھر اللہ کو چھوڑ کر اس کی مخلوق میں سے کسی کو اپنا رب بنا کر ظلم عظیم کا مرتکب ہو جائے۔قرآن وضاحت کرتا ہے کہ یہ عہد اس لئے لیا گیا'' تا کہ کوئی انسان روز قیامت یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔اور نہ ہی یہ بہانہ بنا سکے کہ آباؤ اجداد کی گمراہی کی وجہ سے میں حقیقت کو نہ جان سکا''۔اگر چہ یہ عہد عام انسانوں کوشعوری طور پر ہرگز یاد نہیں لیکن روح کی گہرائیوں میں موجود ہے۔اور مرنے کے بعد جب مادے کے حجابات اُٹھ جائیں گے تو پھر سب کچھ یاد آ جائے گا۔حیات ارضی میں انسان کے طرزِ عمل اور اس کی کامیابی یا ناکامی کا انحصار اس عہد الست کوتسلیم کر لینے یا اس سے انکار کر دینے پر ہے۔اللہ کی بے پایاں رحمت نے اس عہد پر ہی اکتفا نہ فرمایا بلکہ آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے سے پہلے فرمادیا کہ''میری طرف سے تمہیں ہدایت اور راہنمائی آتی رہے گی۔جو اس پر چلیں گے نہ ان کو کوئی خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہونگے اور جو لوگ میری آیات کو نہیں مانیں گے اور جھٹلائیں گے تو وہ آگ کے عذاب کے مستحق ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے''۔(البقرہ۔38۔39)

اس مادی زندگی کی تربیت گاہ میں ہر چیز انسان کی سہولت اور خدمت کیلئے پیدا کی گئی ہے۔ اولادِ آدم کا فرضِ منصبی اور خلافت ارضی کا یہ تقاضا ہے کہ ان تمام چیزوں کو زیر نگیں کر کے اپنی اہلیت کو ثابت کر دے۔اس جدوجہد ہی میں اس کی روح کی ترقی اور شخصیت کی تکمیل کا راز بھی پوشیدہ ہے۔اسلام مادی دنیا سے بیزاری اور رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اسے تسخیر کر کے آگے

ہی آگے بڑھنے اور اللہ کو اپنی منزل بنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

کمال ترک نہیں آب و گِل سے مہجوری
کمال ترک ہے تسخیر خاکی و نوری

لیکن جو انسان متاعِ دنیا کو سب کچھ سمجھ کر اس تربیت گاہ ہی سے دل لگا لے اور اللہ کے رسولوں کی یاددہانی کے باوجود بھی اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہ لائے وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اب اس کی نگاہوں سے نہ صرف زندگی کا مقصد اوجھل ہو جائے گا بلکہ اپنی ذات کی حقیقت سے بھی بیگانہ ہو جائے گا۔ ایسا انسان سفلی جذبات کی تسکین اور مادی لذات کے حصول میں غرق ہو کر حیوانوں کی سطح پر گر جاتا ہے۔ حالانکہ انسان کی فلاح اس امر میں ہے کہ دنیا کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے بھی اس کی محبت میں مبتلا نہ ہو کیونکہ ساری خرابی دنیوی زندگی کو اُخروی زندگی پر ترجیح دینے میں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا بھی فرمان ہے۔ حب الدنیا راس الخطیة "یعنی دنیا کی محبت ہی ساری خرابیوں کی جڑ ہے"۔ سب سے زیادہ محبت انسان کو اپنے اللہ سے کرنی چاہیے۔ جو اس کا معبود اور محبوب ہے۔ سورۃ البقرہ آیت 165 میں ارشاد ہوا کہ "جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو اللہ سے شدید محبت کرتے ہیں"۔

صرف اس طرزِ فکر ہی سے انسان ماسواء اللہ کے خوف سے نجات پا کر حقیقی آزادی اور اشرف المخلوقات کے مقام پر فائز ہو سکتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر انسان اس حقیقت کو تسلیم کر لے کہ میرا مالک، آقا اور رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے موت و حیات اور زمین کی ساری نعمتیں میری تربیت اور آزمائش کیلئے تخلیق فرمائی ہیں۔ مجھے اللہ کے پاس واپس لوٹنا ہے۔ جہاں مادی دنیا میں میری کارکردگی کی مناسبت سے مجھے جزا یا سزا ملے گی۔

تو وہ مومن یعنی حقیقت کو مان لینے والا کہلائے گا۔اب اسے اپنی حقیقی منزل کی فکر دامن گیر ہوجائے گی ۔کہ کس طرح بھرپور دنیوی زندگی بسر کرتے ہوئے اوراپنی تخلیقی اہلیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دنیا کے منفی اثرات سے بچ کراللہ کےقرب کی منزل کی طرف رواں دواں رہ سکے۔ اس جذبہ کوتقویٰ کا نام دیا جاتا ہے۔اگر چہ اس کےمعنی خوف ڈراور پرہیز گاری کےبھی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ اللہ کی محبت کی کشش کےمعنی بھی اس میں پوشیدہ ہیں۔آپ آسانی کی خاطر تقویٰ کو ''فکرمنزل'' کہہ لیں۔یہ فکرجس قدر قوی ہوگی اتنا ہی ایک مومن ان خواہشات،لذات اوراعمال سے بچنے کی کوشش کریگا جواسے اللہ کی یاد سے غافل کردیں وہ اس جدوجہد میں لگ جائے گا کہ زندگی اللہ کی منشاء کےمطابق گزارے تا کہ اس کےقرب اور رضا کا مقام حاصل کر سکے۔اس طرح بنی نوع انسان دو بنیادی گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔اللہ کی الوہیت ، رسولوں کی رسالت اور یوم آخرت کا انکار کرنے والے کفار کی ملت اوران حقائق کو مان کراللہ کی حاکمیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والےمسلمانوں کی ملت۔اللہ کے نظام کے تحت کفار کی حمایت کرنے ،انہیں اندھیروں کی طرف لیجانے،ان کے برےاعمال کواپنےفریب سےخوشنما بنا کر دکھانے اورعذاب دوزخ کی طرف لے جانے والےشیاطین کی فوجیں موجود ہیں۔اس طاغوتی لشکر کاسرکردہ ابلیس ہے۔اس کے برعکس اہل ایمان کی راہنمائی کرنے اورانہیں کفرو شرک کےاندھیروں سےنکال کرنور کی طرف لے جانے والےرسولوں کامبارک گروہ ہے۔جس کےسردار و سالارحضور ابدقرار،کالی کملی والی سرکاراحمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔مزید برآں اللہ تعالیٰ خودمومنوں کامولا ،حمائتی اور مددگار ہے۔اللہ اوراس کےفرشتے اہل ایمان کواندھیروں سے نکال کرنور کی طرف لے جانے کیلئےان پررحمتوں کانزول فرماتے ہیں۔ (الاحزاب:42)

''اللہ تعالیٰ کےعرش کواُٹھانے والےاوراس کےگرد جوفرشتے ہیں وہ اللہ کی تسبیح کرتے اور اہل ایمان کیلئے دُعائیں کرتے رہتے ہیں۔کہ اےاللہ مومنین کی مغفرت فرما انہیں دوزخ کے عذاب سےبچا کر جنت میں داخل فرما۔اورجوان کےباپ، دادااوران کی بیویوں اوراولاد میں سے

نیک ہوں ان کو بھی جنت میں داخل فرما" (سورۃ المومن 7،8) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین پر کس قدر رحیم ہیں اور اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کیلئے کیا کیا انتظام کر رکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آخری زمانہ کے انسانوں کو گمراہی کے اندھیروں سے نکالنے، ان کو زندگی کی غرض و غایت سے آگاہ کرنے اور اپنے قرب کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ کی نشاندہی کرنے کیلئے حضور خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر گزشتہ تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والی، قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہدایت مہیا کرنے والی اور کامل ترین نظام حیات پیش کرنے والی کتاب "القرآن" نازل فرمائی۔ اس کتاب کی فصاحت و بلاغت، اس کا انداز تبشیر و تنذیر، اس میں اللہ کی الوہیت اور ربوبیت پر دیئے گئے ناقابل تردید دلائل، اس میں بیان کردہ قصص و امثال، گزشتہ اقوام کے حالات، اُخروی زندگی کی حقیقت اور اس میں پیش آنے والے واقعات، نیکوکاروں اور مجرموں سے کئے جانے والے معاملات کی تفصیل اپنے اندر غافل دلوں اور خوابیدہ ضمیروں کو بیدار کرنے اور سینوں کو منور کرنے کے ہزارہا سامان لئے ہوئے ہے لیکن اِس سے صحیح راہنمائی اور ہدایت حاصل کرنے کیلئے سب سے بنیادی شرط تقویٰ کا ہونا ہے۔ جسے اپنے رب سے ملاقات ہونے کا یقین ہی نہ ہو اس میں صراط مستقیم معلوم کرنے کی طلب بھلا کیونکر ہو سکتی ہے۔ ہر شے کی قدر و قیمت طلب ہی سے متعین ہوتی ہے۔ اگرچہ انسانی تاریخ، فلسفہ، نفسیات، طبیعات، فلکیات اور رومانیات کے غیر مسلم علماء بھی اس کے مطالب و معنی کی گہرائی اور وسعت جان کر حیران و ششدر رہ جاتے اور اپنے اپنے علمی مقام کے مطابق اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید کا اصل مقصد بنی نوع انسان کو ہدایت مہیا کرنا ہے اور اسے وہی حاصل کر سکتا ہے جس کے اندر تقویٰ، فکرِ منزل اور ذوقِ پرواز ہوگا۔ جو شخص اس جذبے سے خالی ہو اس کا علم خواہ کتنا ہی متنوع اور وسیع ہو قرآن کی حقیقی روح سے ناآشنا اور اس سے فیضیاب ہونے سے محروم رہے گا۔ اس کتاب سے ہدایت کا اکتساب تقویٰ کے معیار کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے جیسے ایک مومن میں تقویٰ بڑھتا چلا جاتا ہے ویسے ویسے

قرآن کے اسرار و رموز اور اسلام کی حقانیت کے لیے اس کا سینہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ اس سے یہ امر روشن ہو کر سامنے آ گیا کہ قرآنی ہدایت اور تقویٰ میں ایک خصوصی ربط و تعلق ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا اور ترقی کرتا ہے۔ قرآن کی تعلیم کی روشنی میں اس کا جواب یہ ہے کہ اس خیر و خوبی کے مصدر کی خشت اول اسلامی طرز حیات کا راہنما اصول کلمہ **لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ** ہے۔ یعنی انسان سچے دل سے یہ حقیقت تسلیم کر لے کہ میرا معبود اور حاکم اللہ ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ان کی اطاعت اور اتباع ہی میری دنیوی اور اُخروی فلاح ہے۔ تمام آسمانی کتابوں کا بنیادی پیام اور انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کی واحدانیت اور یوم آخرت پر ایمان لا کر موت کے بعد والی حقیقی اور ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی زندگی پر ترجیح اور فوقیت دینا ہے۔ ان عبادات کی ادائیگی سے ایک مومن اپنا قلبی تعلق متاع دنیا سے توڑ کر اللہ کی ربوبیت کا زبانی اقرار اور عملی اظہار کرتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز ہی کو لے لیں جسے حضور ﷺ نے دین کا ستون اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔ اس کے ذریعے سے مومن تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد اپنے گھر، اہل و عیال، کاروبار، ملازمت اور جسمانی راحت و آرام کی محبت کو توڑتا رہتا ہے۔ تا کہ یہ تعلق پختہ ہو کر خسران کا باعث نہ بن جائے۔ وہ متاع غرور اور بتان وہم و گماں سے اپنا رشتہ منقطع کر کے اللہ کے حضور اپنا سر نیاز خم کر کے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اسکی وفاؤں کا قبلہ اور محبت کا مرکز صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بابرکت ذات ہے اسی طرح زکوٰۃ اور حج بھی مال و زر، اہل و عیال اور ارض وطن کی محبت کو مطلوبہ اعتدال پر لانے اور اللہ سے اپنا تعلق بڑھانے کے وسائل ہیں۔

قرآن کی سورۃ توبہ کی آیت نمبر 111 میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ "اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے اموال اور ان کی جانیں جنت کے بدلے خرید لئے ہیں"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث مبارکہ بھی ہے کہ "تم اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنی خواہشات کو اس کے تابع نہ کر لو جو میں لایا ہوں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور ایمان کا اعلیٰ مقام یہ ہے

کہ بندہ اپنی تمام خواہشات کو اپنے رب کی رضا کے ماتحت کر دے۔ اس معیار کے حصول کیلئے نفس کے سرکش گھوڑے کو اطاعت کی مضبوط لگام دینا اور مادی لذات کی محبت کو منقطع کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہ اہم مقصد ایک مربوط اور پر از حکمت تربیتی نظام کا تقاضہ کرتا ہے۔ چنانچہ اسی غرض کیلئے مومنین پر روزے فرض کئے گئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا گیا کہ "اللہ کی طرف سے یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ گزشتہ تمام اُمتوں کو بھی نفس کی اصلاح کر کے تقوی کو تقویت دینے کیلئے یہی کارگر نسخہ عطا کیا گیا تھا۔ انسانی نفس کی یہ فطرت ہے کہ فاقے سے کمزور اور مضمحل ہو کر اپنی درندگی اور بہیمت سے رُک جاتا ہے اور اس کی اس حالت سے فائدہ اُٹھا کر اسے اللہ کی اطاعت اور بندگی کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے۔ یہ یاد رہے کہ درندوں کو سرکس میں مختلف کرتب دکھانے کی تربیت دینے کیلئے بھی پہلے انہیں کئی کئی دن بھوکا پیاسا رکھا جاتا ہے اور پھر اپنی خوراک تک پہنچنے کیلئے مطلوبہ کرتب کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ اس لئے مومنین کو یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہیے کہ روزے کا مقصود بھوکا پیاسا رہنا نہیں بلکہ نفس کی اصلاح کرنا ہے۔ اس لئے اس مقصد کو شعوری طور پر پیش نظر رکھتے ہوئے، بھوک کی حالت میں جسم کے اعضاء اور نفس کی خواہشات کو احکام الٰہی کا پابند بنا کر روزے سے حقیقی فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ تا کہ ایسا نہ ہو کہ ہم حضور ﷺ کی اس حدیث کا مصداق بن جائیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کئی روزہ دار ایسے ہونگے جنہیں روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا"۔

آخر میں ان حکمتوں اور برکتوں کا ذکر کرنا ہے جو ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دینے میں ہیں۔ یہ سبھی جانتے ہیں کہ انسانوں کی ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کے نزول کا شرف ماہ رمضان کو عطا ہوا۔ جس کی وجہ سے یہ مہینہ ہمیشہ کیلئے خصوصی رحمتوں اور برکتوں کا حامل بن گیا ہے۔ اس مہینہ کی ایک خاص رات لیلۃ القدر کو ہزار مہینوں سے بہتر ہونے کی انفرادیت سے نوازا گیا۔ بعض روایات کے مطابق گذشتہ آسمانی کتابیں بھی اسی ماہ مبارک میں اتاری گئی تھیں۔ اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور ﷺ نے اسے

خاص طور پر اللہ کا مہینہ فرمایا ہے۔اللہ کی رحمت سے اس میں برائی کے اثرات کم اور نیکی کے ثمرات کئی گنا زیادہ کر دیئے جاتے ہیں۔جہنم کے دروازے بند اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔اسی لئے نفس کو زیر کر کے روحانی قوتوں کو ترقی دینے یعنی تقویٰ کو فروغ دینے کیلئے اس ماہ سے بہتر مہینہ اور کونسا ہو سکتا تھا۔اس لئے ہماری سہولت کیلئے اللہ رحیم و کریم نے ماہ رمضان ہی کو ماہ صیام قرار دے دیا تا کہ اس کی رحمتیں اور برکتیں بھی ہماری معاون بن جائیں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کیلئے قرآن نازل فرمایا لیکن اس نور سے استفادہ تقویٰ کی عدم موجودگی میں ممکن ہی نہیں چنانچہ قرآن کریم کے شروع ہی میں فرما دیا گیا کہ اس کتاب میں متقین کیلئے ہدایت ہے۔اِسی مناسبت سے قرآن کے نزول والے بابرکت مہینہ ہی کو تقویٰ کی ترقی کیلئے مخصوص فرما دیا گیا۔اِسی لئے پورے عالم اسلام میں اس ماہ کے دوران کثرت کے ساتھ قرآن کی تلاوت اور سماعت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔تا کہ روزے سے حاصل ہونے والی روحانی صلاحیت کی بدولت مومنین پر قرآن کی حقانیت روشن سے روشن تر ہوتی چلی جائے اور اسلام ان کے دلوں میں گھر کر جائے اور وہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو کر اس کے انعام و اکرام کے حقدار بن جائیں۔

ماہ صیام کی تربیت اگر پورے اہتمام اور ظاہری اور معنوی لوازمات کی کامل پابندی کے ساتھ مکمل کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں اس کے اثرات قائم نہ رہیں۔اگر کبھی تقویٰ میں کمزوری محسوس ہونے لگے تو نفلی اور سنت روزہ سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ ایک ڈھال ہے۔تو مومن کو چاہیے کہ اپنے حقیقی دشمن یعنی شیطان کے حملوں کو روکنے کیلئے اس دفاعی ہتھیار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال بھی کرے۔جب بھی شیطان کی طرف سے کسی حرام کام کے ارتکاب کیلئے دل میں وسوسہ پیدا ہو تو مومن کو چاہیے کہ ماہ رمضان کے دوران ضبط نفس کی تربیت کو یاد کرے اور تقویٰ کی اہلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنے نفس کو اللہ کی حکم عدولی سے باز رکھے۔یہی لمحہ مومن کے ایمان

اور تقویٰ کے امتحان کا ہوتا ہے۔ جو مومن بندہ ماہ رمضان میں اپنے رب کے حکم پر روزے کے دوران حلال رزق اور جائز جنسی خواہشات سے بھی اپنے آپ کو روک لیتا ہے۔ اس کیلئے کسی حرام فعل کے ارتکاب یا اللہ کی معصیت سے اپنے آپ کو باز رکھنا تو آسان تر ہوتا ہے۔ ایسے ہی کردار کے حامل لوگ متقین کہلاتے ہیں۔ اللہ کے نزدیک ہم میں سے زیادہ عزت و اکرام کا مستحق وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ اور آخرت میں جنت کی نعمتیں بھی متقین کیلئے ہی وقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہم سب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے کامل طور پر مستفیض فرما کر متقین اور مقربین میں شامل فرمائے۔ آمین!

ارشادات عالیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ (چراغ راہ 172ص)

ہم مسلمان خواہ کسی ملک کے بھی ہوں مومن نہیں ہیں صرف مسلمان ہیں اور مسلمان بھی نام کے۔ نوے فیصد مسلمان تو قرآن حکیم کی تعلیم ہی سے واقف نہیں اس پر عمل کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم قرآن کریم کی بجائے رسوم پرستی کو اسلام سمجھ رہے ہیں۔ ہم نے فرائض کو بھلا دیا ہے اور فروعات کو فرائض سے بھی زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ ہم نماز اول تو پڑھتے ہی نہیں اور اگر پڑھتے بھی ہیں تو یہ کبھی نہیں سوچتے کہ ہماری نمازوں سے ہمارے اخلاق کی کہاں تک اصلاح ہوئی ہے۔ ہم نے کون کون سی برائیوں کو چھوڑا اور کون کون سی نیکیوں کو اختیار کیا ہے کیونکہ خدا نے تو نماز کی یہی تعریف کی ہے کہ نماز برائیوں اور ممنوعہ کاموں سے بچاتی اور نیک بناتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کبھی غور نہیں کرتے کہ ہماری نماز میں خشوع اور حضوری کہاں تک تھی۔ اگر نماز سے یہ فوائد حاصل نہیں ہوتے تو وہ کیا خاک نماز ہے وہ تو ایک رسم ہے محض رسم جو پانچ وقت ادا کر لی جاتی ہے۔ یہی حال دوسری عبادات کا ہے کہ محض رسماً ادا کر لی جاتی ہیں۔

قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام محمد سلیم

مورخہ 31-08-2002

اللہ تعالیٰ نے نفس کی دلچسپی کیلئے ہزارہا سامان یہاں پیدا فرما دیئے اور پھر تقاضہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ محبت ہم سے کرو بس یہی دین کا اصل راز ہے اسی امر کی بار بار یاددہانی ہی تبلیغ ہے کہ اللہ سے محبت کرو اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دو اللہ کی رحمت سے سلسلہ کے بھائی حتی الامکان یہ فریضہ دعوت انجام دے رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں مزید ظاہری باطنی ذرائع نصیب فرمائے اور ہماری کوشش کو اپنے فضل سے بارآور فرمائے (آمین) میں آپ کی ترقی پر مطمئن ہوں۔

مورخہ 28-06-2003

آپ نے مرتضیٰ صاحب کے نام قبلہ حضرتؒ کے جس خط کا ذکر کیا ہے اس میں جو ذکر بتایا گیا ہے وہ انہی کے لئے تھا آپکے پاس اگر وقت ہو تو ذکر پورا کرنے کے بعد کچھ دیر صرف ''سبحان اللہ'' کا ذکر کرلیا کریں۔ یہ اس حقیقت کا ذکر ہے جس میں کوئی صفت نہیں ہے یہ ذکر آہستہ آہستہ اور ترنم والی آواز کے ساتھ پوری یکسوئی سے کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نور مکمل طور پر مجھے گھیرے ہوئے ہے بلکہ جسم کے آر پار ہو رہا ہے پانچ دس منٹ ذکر کرنے کے بعد اسی تصور میں کچھ دیر خاموش بیٹھے رہیں پھر سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کہتے ہوئے کھڑے ہو جائیں۔ روزانہ کا ذکر حلقہ میں کئے جانے والے ہفتہ وار ذکر سے کافی مختصر ہے روزانہ ذکر میں درود شریف نفی اثبات، درود شریف، شجرہ اور توجہ اور اس کے بعد ختم شریف پڑھ کر ایصال ثواب اور آخر میں دعا شامل ہے ذکر پاس انفاس تو ہر دم خیال سے کرنا بہت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر باہر، آگے، پیچھے اوپر نیچے، فضاء اور خلا اور کائنات کی ہر چیز میں موجود ہے اس احساس اور پاس انفاس کی پابندی سے اللہ کی حضوری کی بنیاد پڑتی ہے۔

ذکر کی روح

(سلطان بشیر محمود)

تصوّف کے مختلف سلسلوں میں ذکر کے بے شمار طریقے رائج ہیں لیکن بات ایک ہی ہے کہ کسی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ یاد رہے۔ " **جو دم غافل سو دم کافر** " اذکار میں اوّل نام ربّ العزّت کا اسمِ ذات یعنی **اللہ** ہے۔ اس پاک نام میں بے حساب برکت پنہاں ہے جس کے متعلق سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے:" بہت بابرکت ہے تیرے ربّ کا نام **جو ذی الجلال والاکرام ہے**"۔ ربّ کا نام "اللہ" ہے اور یہی اسمِ اعظم ہے۔ جب بندہ خلوص اور محبت کے ساتھ بار بار اللہ۔ اللہ۔ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس سے انسان ایک ماورائی کیفیت میں پہنچ جاتا ہے۔ یاد رکھیں اگر دل ذکر سے خالی ہو یعنی صرف زبان ذکر کر رہی ہو اور دل اس کا ساتھ نہ دے تو انسان اسم ذات کے انوار سے محروم رہے گا۔ یعنی حاضری کے بغیر والا ذکر خود فریبی ہے۔

پُراثر ذکر کی پہچان یہ ہے کہ ذاکر متقی بن جاتا ہے۔ یعنی اللہ کے ذکر کا مطلب دل کا تقویٰ ہے اور تقویٰ کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ مومن اپنے ربّ کو ہر چیز سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اپنے پیار کی حفاظت کیلئے کہ کہیں محبوب ناراض نہ ہو جائے انتہائی محتاط ہوتا ہے اور اس احتیاط کے نتیجہ میں وہ گناہ، غلطی اور غفلت سے ڈرا ڈرا رہتا ہے۔

محبوبین کیلئے ایک بڑا اہم ذکر قرآن کریم کی سمجھ سمجھ کر تلاوت کرنا بھی ہے۔ یہ اس احساس کے ساتھ ہو کہ یہ ربّ العالمین کا کلام ہے جو رحمت للعالمین کے پیارے ہونٹوں سے سب سے پہلے دنیا نے سنا۔ تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے مضامین پر غور فرمائے کہ اس کا ربّ اس سے کیا چاہتا ہے؟ اسے کیا کہتا ہے؟ اور جو سمجھ آئے اس پر فوری عمل پیرا ہو جائے۔ "نیکی میں جلدی کرو" "نیکی کیلئے انتظار نہ کرو اور جب بات اللہ کے حکم کی ہو تو پھر کیا سوچنا" کہ قرآن کریم کو کتاب نہیں بلکہ اپنے ربّ کی بات سمجھ کر پڑھا جائے گا تو پھر احساس ہوگا کہ یہ کتنا

بے مثال کلام ہے ۔اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذکر العالمین رکھا ہے ۔اس لئے کہ عالم الدنیا ہو یا عالم برزخ، یوم حساب ہو کہ جنت ہو یا جہنم ہر عالم میں یہی ذکر کام آئے گا ۔لہذا اس کی تعلیم اولیاء اللہ کا بڑا اشعار ہے ۔اس لئے جس دربار میں قرآن نہیں وہاں ولایت نہیں ۔

افسوس کہ آج کل کے پیروں فقیروں کے ڈیروں پر اگر کسی چیز سے سب سے زیادہ بے توجہی برتی جا رہی ہے تو یہ اللہ کی کتاب ہے ۔مختلف رنگوں میں قوالیوں اور تقریروں، کرامتوں کے بیانات اور روح سے خالی اذکار کا شور تو بہت ہے لیکن کلام الٰہی صرف الماریوں کی خوبصورتی ہے ۔ اگر پڑھا بھی جاتا ہے تو برائے ثواب پڑھا جاتا ہے، برائے ہدایت نہیں ۔

ذکر کونسا کیا جائے؟ اور کیسے کیا جائے؟

بارہ سو سال سے صوفیاء کرام کے بے شمار حلقے اور سلسلے دراصل اسی سوال کے نتیجہ میں مستقل علیحدہ علیحدہ حیثیت اختیار کر گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہے اور کیسے کیا جائے؟ اس ضمن میں بات ایک ہی ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی محبت کو بسایا جائے اور آدمی سب سے کٹ کر اسی کا ہو جائے ۔سورۃ المزمل آیت 9-8 میں حکم ہے: ''اپنے ربّ کے نام کا ذکر کرو اور سب سے کٹ کر صرف اسی کے ہو جاؤ، وہ مغرب اور مشرق کا ربّ ہے ۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔تم اس کو کارساز بناؤ''۔

ذکر کرو تو اپنے ربّ کے نام کا کرو، **اللہ ۔اللہ ۔اللہ** اور جب کرو تو سب سے علیحدہ ہو کر دنیا جہان کے بکھیڑوں کو ذہن سے نکال دو ۔

اسی آیہ مبارکہ میں بہت اہم یاددھانی ''**لا الہ الّا ھو**'' کی ہے ۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہی میرا ذکر ہے اور مجھ سے پہلے تمام نبیوں کا بھی یہی ذکر تھا ۔آیہ مبارکہ میں ''**فاتخذہ وکیلا**'' کا مطلب یہ ہے کہ ''**لا الہ الّا ھو**'' ۔کے ذکر کے نتیجہ میں انسان کو دنیا کے جھوٹے خداؤں کی غلامی سے نکل کر صرف اللہ ربّ العالمین ہی کا ہو جانا چاہیے

اسی کواپنا کارساز سمجھے۔دنیا کے اسباب کااستعمال کرسکتا ہےلیکن توکل اپنے ربّ پر ہی کرے۔

اسم ذات کے ذکر کیلئے ایک مقبول اور قابل اثر طریقہ پاس انفاس کہلاتا ہے۔ جب آدمی سانس اندر کھینچےتواپنے خیال میں اللہ کےاسم کودل سے دماغ تک لے جائے اور جب سانس باہر نکالےتو اسم اللہ کودماغ سے دل تک لے جائے۔شروع شروع میں یہ مشق کچھ مشکل معلوم ہوسکتی ہےلیکن بعد میں یہ ایک خودبخودعمل بن جاتا ہےاور آدمی کام کاج میں مصروف رہتے ہوئےبھی ایک دن میں چالیس ہزار سے زائد مرتبہ ذکر کرسکتا ہے۔

ذکر کاحق یہ ہے کہ مومن اپنی زندگی کوذکرالعالمین یعنی قرآن کریم کےمطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا رہے۔اسی ضمن میں اسم ذات کاحق یہ ہے کہ مومن اپنے ربّ کانام بلند کرنے کیلئے جہاد کرتا رہےاورلا الہ الا للہ کا یہ حق ہے کہ دنیا کے اسباب،اشیاءاور ناخداؤں کےخوف سے آزاد ہوکرصرف اپنے ربّ پرتوکل کرے۔

قدرت اللہ شہاب اپنی خودنوشت کے باب''چھوٹا منہ بڑی بات''میں لکھتے ہیں کہ اگر اسم ذات یعنی اللہ،اللہ کا ذکراس تصوّر کے ساتھ کیاجائے جدھر منہ پھیرو اُدھر ہی وہی ہےتو استغراق اورمحویت کی کیفیت پیدا ہوکر ہر شے سے ذکر کی آواز سنائی دینے لگتی ہے۔مثلاً حضرت داوٴدعلیہ السلام کا یہ معجزہ تھا کہ جب وہ اللہ کا ذکرخودکرتے تھےتو پہاڑ اورطیوربھی ان کا ساتھ دیتے تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ''اسم ذات اللہ کا ذکرپاس انفاس کرتے وقت یہ تصورکرے کہ ظاہروباطن میں ہر جگہ اللہ ہی کاظہور ہے۔اس کا ذکراس قدرغیرمعمولی کثرت سے کریں کہ سانس ہمہ وقت ذکر کی عادی ہوجائے۔اس طرح پاس انفاس سےبہرہ ورہوکرقلب غیراللہ سے صاف اوردیگرکدورتوں سے پاک ہوکرانوارالٰہیہ کامحوربن جاتا ہے۔"

مقامِ توحید

(مفتی محمد شفیعؒ)

ا جن اعمال باطنہ کوحاصل کرنا انسان کےذمہ ضروری ہے،ان میں سےایک "توحید" ہے۔ توحید کا مطلب ہے کہ انسان اللہ کوایک مانے اوراس کے ساتھ کسی کوشریک نہ ٹھہرائے یہ توحید اعتقادی ہے جس پر انسان کا ایمان موقوف ہےاوراس کےبغیرانسان مسلمان ہی نہیں ہوسکتا۔ لیکن علم تصوّف میں" توحید" سےمراد" توحید عملی "ہوتی ہے۔جوتو حیداعتقادی سے اگلا درجہ ہے،اوراس کامطلب یہ ہے کہ " توحید اعتقادی" میں جس عقیدے کوعملی طور پر حاصل کیا گیا تھا،اسے عملی طور پر اپنا "حال" بنالیا جائے یعنی ہر آن اس حقیقت کونگاہوں کے سامنے رکھا جائے کہ اس کائنات میں جوکچھ ہورہا ہے،وہ صرف اللہ کی ذات واحد سے ہورہا ہے۔اس دنیا میں جتنے واقعات پیش آتے ہیں وہ سب اللہ کی طرف سے آتے ہیں اوراس کی مشیت کے بغیر ذرہ ادھر سے اُدھر حرکت نہیں کرسکتا۔عقیدے کی حدتک تو اس بات کوہر مسلمان جانتا اور مانتا ہے،لیکن ہررنج وراحت اورغم ومسرّت کےوقت اس حقیقت کا استحضارنہیں رہتا،اس لئے جب کسی ظاہری ذریعے سے کوئی خوشی یا تکلیف پہنچتی ہےتو اسی ظاہری ذریعہ کوسب کچھ سمجھ بیٹھتا ہےاورخوشی اور تکلیف دونوں کی نسبت اسی کی طرف کرتا ہے۔لیکن توحیدعملی کا مطالبہ انسان سے یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کوہر آن اس طرح مستحضر رکھے گویا اس کودیکھ رہا ہے۔

جب انسان کائنات کےہرواقعے کے پیچھے ہر آن خدائے واحد ہی کودیکھتا ہےتو وہ لوگوں کی دشمنی اوردوستی سے بےنیاز ہوجاتا ہے،وہ جانتا ہے کہ جوراحت یا تکلیف اسے پہنچتی ہےوہ اللہ کی طرف سے ہے،اورانسان جوظاہری طور پراس کا سبب نظر آرہا ہے،وہ محض ایک واسطہ ہے،اس سے زیادہ کچھ نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ رنج وتکلیف کےموقع پر تسکین قلب کا اس سےبہتر نسخہ کوئی نہیں ہوسکتا۔

امام غزالیؒ نے ایک تمثیل کے ذریعے اس بات کو سمجھایا ہے، فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے تلوار پر دعویٰ کیا کہ تو نے مجھے مارا ہے، اس نے جواب میں کہا کہ میں کون ہوں! مجھ میں کیا طاقت تھی؟ مجھے تو ہاتھ نے استعمال کیا، دعویٰ کرنا ہے تو اس پر کرو، اس شخص نے ہاتھ پر دعویٰ کیا تو اس نے کہا کہ میرا کیا قصور ہے میں تو بے حس و بے شعور تھا، یہ "ارادہ" تھا جس نے آکر مجھے جگایا اس لئے لڑنا ہے تو اس سے لڑو، اس نے "ارادہ" پر دعویٰ کیا تو اس نے کہا میں کیا چیز ہوں؟ مجھے تو دل نے اس حرکت پر انگیختہ کیا تھا، دل کے پاس پہنچا تو وہ بولا کہ میری حقیقت کیا ہے؟ میں تو کسی اور کے قبضہ قدرت میں ہوں، "القلوب بین اصبعی الرحمن" اس طرح انجام کار تمام حرکات کی انتہا ایک ہی فاعل حقیقی پر ہوتی ہے اور وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ۔

بس یہی وہ حقیقت ہے جس کا استحضار "توحید عملی" کو مطلوب ہے، اور جب انسان توحید کے اس مقام کو بدرجہ اتم حاصل کر لیتا ہے تو نہ اس کے دل میں کسی کی خوشامد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، نہ وہ چاپلوسی کرتا ہے نہ وہ اللہ کے سوا کسی سے ڈرتا ہے، نہ مال و دولت کی لالچ اسے کسی کام پر آمادہ کر سکتی ہے اور نہ جان کا خوف۔ اس لئے کہ وہ اس حقیقت کو صرف جانتا ہی نہیں کھلی آنکھوں دیکھتا ہے کہ ساری دنیا کے انسان مل کر مجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں تو نہیں پہنچا سکتے، اور سارے جہاں کی مخلوقات جمع ہو کر مجھے کوئی زک دینا چاہیں تو نہیں دے سکتیں، اس لئے میں کسی سے کیوں ڈروں؟ اور کسی خوشامد کسی لالچ کا شکار کیوں بنوں؟ چنانچہ وہ اللہ کے سوا نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی کے سامنے جھکتا ہے نہ کسی کی خوشامد کرتا ہے، نہ کسی سے کوئی ایسی اُمید باندھتا ہے جس کی خلاف ورزی سے اسے تکلیف پہنچے! بس وہ تو ایک ہی ذات کے ساتھ تعلق میں مست ہے۔ یہ تعلق کیسے قائم ہو؟ ہر مسلمان کو اعتقاداً توحید کا یقین تو ہوتا ہے، لیکن چونکہ انسان کی نگاہیں ظاہری واسطوں کے خم و پیچ میں اُلجھی رہتی ہیں، اس لئے اس یقین پر کچھ وہم مسلط ہوتے رہتے ہیں، اس کی مثال بقول امام غزالیؒ ایسی ہے جیسے ایک مردہ انسان کی لاش کے بارے میں ہر انسان کو مکمل یقین ہوتا ہے کہ یہ جماد ہے، اس میں کوئی شعور نہیں، یہ از خود حرکت نہیں کر سکتی، لیکن اس یقین کے باوجود

انسان اس لاش کے ساتھ ایک ہی بستر پر سونے سے وحشت محسوس کرتا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لاش کے بے جان ہونے کا قائل نہیں، بلا شبہ وہ اس کے بے جان ہونے کا قائل ہے، لیکن کچھ اوہام اسکے ذہن کو پریشان کرتے ہیں۔

بس! اسی طرح ہر مسلمان ان ظاہری واسطوں کو بے بس تو سمجھتا ہے مگر اس کے قلب میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ وہ وہم کو اپنے اوپر غالب نہ ہونے دے۔اگر قلب میں یہ قوت پیدا ہوجائے تو توحید عملی کا مقام خود بخود حاصل ہوجائے گا۔قلب کی یہ قوت مراقبہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، جب انسان یکسوئی کے ساتھ روزانہ واقعات عالم پر نظر کرتا ہے، اور یہ دیکھتا ہے کہ انسانوں کے بنائے ہوئے منصوبے کس طرح روزانہ خاک میں مل جاتے ہیں، تو رفتہ رفتہ اس کے دل سے اوہام کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور عقیدۂ توحید اس کی رگ و پے میں سرایت کر کے اس کا حال بننے لگتا ہے۔ ہاں! ان مراقبوں میں کسی شیخ کامل کی رہنمائی کی ضرورت ہے تا کہ وہ انسان کو افراط و تفریط میں مبتلا ہونے سے روکتا رہے۔

اگرچہ کائنات کے تمام واقعات میں فاعل و موثر حقیقی اللہ ہی کی ذات ہے لیکن اسلامی شریعت نے ظاہری وسطوں کو دنیوی احکام میں بالکل خارج از بحث قرار نہیں دیا بلکہ ان کے بھی کچھ حقوق رکھے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ فاعل حقیقی تو بلا شبہ اللہ ہی ہے لیکن اللہ نے جس چیز کو فعل کے وقوع کیلئے واسطہ بنایا اس کا بھی ایک مقام ہے چنانچہ اگر کوئی شخص آپ پر کوئی احسان کرے تو اس کا شکر ادا کرنا بھی آپ پر واجب ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے علماء نے لکھا ہے کہ حصول علم کے جو آلات ہوتے ہیں، مثلاً قلم، دوات اور کاغذ وغیرہ، طالب علم کو ان کا بھی احترام کرنا چاہیے۔

ماہ صیام نیکیوں، رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ

(پیر خان توحیدی)

فمن شھد منکم الشھد فلیصم۔"پس جو تم میں سے اس مہینے میں موجود ہواُسے چاہیے کہ روزہ رکھے"۔ایک دفعہ پھر رمضان کا مبارک مہینہ ہمارے اوپر سایہ فگن ہو رہا ہے اور اس کی رحمتوں کی بارش ہماری زندگیوں کو سیراب کرنے کے لئے برس رہی ہوگی۔ اس مہینے کی عظمتوں اور برکتوں کا کیا ٹھکانہ جسے خود نبی ﷺ نے شھر عظیم اور شھر مبارک کہا ہے۔اس ماہ کی عظمتوں کو نہ تو احاطۂ تحریر میں لایا جا سکتا ہے اور نہ ہی زبان اس کی ساری برکتوں کو بیان کر سکتی ہے۔

روزہ کو عربی زبان میں صوم کہتے ہیں جس کے معنی اپنے آپ کو روکنا۔اپنے آپ کو قابو میں رکھنا یعنی تزکیہ نفس۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اے اہل ایمان! تم پر روزے فرض کر دیے ہیں جیسے ان لوگوں پر فرض کر دیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔(البقرہ 183) روزے پہلی اُمتوں پر بھی فرض تھے،ان کی فرضیت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے اندر تقویٰ پیدا ہو یعنی اللہ کی خشیت دلوں میں پیدا ہو۔اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ میں ہی تمہارا ربّ ہوں اور مجھ ہی سے ڈرو۔جب بندے کے دل میں اللہ کا خوف پیدا ہوگا تو وہ اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے اور اللہ کے احکامات کو بجالانے کی کوشش کرے گا جو انسانی زندگی کا مقصد اور مدعا ہے۔

یوں تو ہر دن اور ہر مہینہ سعادت اور خیر و برکت کا دن اور مہینہ ہوتا ہے لیکن ماہِ رمضان کی سعادت،خیر و برکتیں اور رحمتیں اتنی بے پایاں ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔اس ماہ میں توشۂ آخرت تیار کرنے کے لئے پورا ماحول ہم آہنگ اور موافق ہوتا ہے روحانی لحاظ سے یہ نیکیوں کا موسم بہار ہے۔انسان کا ازلی دشمن ابلیس لعین جو انسان کو گناہ اور ربّ کی نافرمانی پر اُکساتا ہے

اس ماہ میں قید کر دیا جاتا ہے۔ جنت کے سارے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پوری کائنات پر ہر جانب رحمتوں اور برکتوں کی برسات برسنے لگتی ہے لینے والے تھک جائیں لیکن دینے والے کے خزانوں میں کمی کا کوئی امکان نہیں۔ نوافل کا ثواب فرض کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے۔ وہ مہربان خدا اس ماہ میں کچھ زیادہ ہی مہربانی کرتا ہے کیوں نہ کرے یہ تو اس کا اپنا مہینہ ہے کیونکہ وہ خود فرماتا ہے کہ " روزہ میرے لئے ہے اور اس کا اجر بھی میں خود دونگا"۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر ہوں۔ حضرت شیخ علی ہجویریؒ روزوں کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں کہ "اپنی خواہشاتِ نفس کو روکنا اور قابو میں رکھنا جبکہ ساری طریقت اسی میں پوشیدہ ہے۔" حضرت جنید بغدادیؒ نے روزے کو نصف طریقت فرمایا۔ علی بن عثمان جیلانیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سید عالم ﷺ کو خواب میں دیکھا تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے نصیحت فرمایئے تو آپ نے فرمایا اپنے حواس خمسہ کو قابو میں رکھ۔ انسان سے تمام نیکیوں اور برائیوں کا ظہور انہی پانچ حواس خمسہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ یہ پانچوں حواس فرمانبرداری اور معصیت کے مشترکہ اور یکساں آلات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اب یہ ارادہ پر منحصر ہے کہ مومن ان آلات کو اپنے قابو میں رکھے۔ ان کو قابو میں رکھنے کے لئے روزے سے بڑھ کر کوئی اور موثر ذریعہ نہیں۔ ماہِ رمضان کے روزے اس تقویٰ کو جلاء بخشتے ہیں۔ فسق و فجور کو دباتے کچلتے اور راکھ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے روزے کو ڈھال کہا گیا ہے۔ جو شیطان کے ہر وار اور ہر حملے کو روکتا اور نا کام بناتا ہے۔

اللہ ربّ العزت ماہِ صیام میں اپنے بندوں پر جو کھانے پینے کی اور دیگر پابندیاں عائد کرتا ہے ان کے بھی بہت فائدے ہیں جن میں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ سال بھر جسم میں پیدا ہونے والے مادہ عناصر جو باہم مل کر کثافتیں پیدا کرتے ہیں وہ زندگی کے پیریڈ کو کم کر سکتے ہیں جسم کو کثافتی عناصر سے پاک کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے حکم کے مطابق یہ عمل مکمل کرواتا ہے تا کہ وہ قبل از وقت موت کا شکار نہ ہو جائیں۔

۲۔ رمضان مادی عناصر کی مقدار میں اعتدال پیدا کرتا ہے اور انسانی مزاج میں ٹھہراؤ پیدا کر کے اس کے اشرف المخلوقات ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔

۳۔ تزکیہ نفس تیزی سے ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے حقوق کا تحفظ ہے۔

۴۔ انسان کے اندر صبر، قناعت، ایثار اور دوسروں کے حقوق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ بندہ اپنے رب سے اطاعت۔ فرمانبرداری کے ساتھ مربوط ہوتا ہے تمام دشواریوں اور زحمتوں کو اللہ کے لئے برداشت کرنے کا عزم کرتا ہے۔

۶۔ جہادِ نفس کی رکاوٹوں کو دور کرتا ہے۔

رمضان کی برکت وعظمت کا راز:

رمضان کی برکت اور عظمت کا راز کس چیز میں پوشیدہ ہے یہ جاننا ضروری ہے کیونکہ یہ جانے بغیر اس کے خزانوں سے اپنا دامن بھرنا ممکن نہیں۔

۱) یہ وہ ماہِ مقدس ہے، جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو سارے انسانوں کے لئے سراپا ہدایت ہے اور ایسی تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی حق اور باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں اور دنیا کے خزانوں میں سب سے بڑا خزانہ ہے۔

۲) یہ وہ ماہِ مقدس ہے جس کے دامن میں وہ بیش بہا رات ہے کہ اس ایک رات میں ہزاروں مہینوں سے بڑھ کر خیر و برکت کے خزانے لٹائے جاتے ہیں اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل ہے۔

۳) یہ وہ ماہِ مقدس ہے، جس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔

۴) یہ وہ ماہِ مقدس ہے، جس میں ہر سو رحمتوں کی بارش برستی ہے۔ نیکیوں کے راستے پر چلنے کی سہولت اور توفیق عام ہو جاتی ہے۔

۵) یہ وہ ماہِ مقدس ہے، جس میں بندوں کا تعلق خدا سے مستحکم اور مضبوط ہوتا ہے۔ تقویٰ میں

اضافہ ہوتا ہے۔ ہمدردی، غم خواری اور بھائی چارے کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ دل شیشے کے چراغوں کی طرح جگمگاتے ہیں۔

٦) یہ وہ ماہِ مقدس ہے جس میں نفل اعمال فرض کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں اور فرائض ستر گنا زیادہ وزنی اور بلند ہو جاتے ہیں پس بشارت دی نبی ﷺ نے اس شخص کو جو رمضان المبارک میں روزہ رکھے اس کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور اس شخص کو جو راتوں کو نماز کے لئے کھڑا رہے اس کے بھی گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اور جو شب قدر میں قیام کرے اس کے بھی گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

رمضان کیسے گزاریں؟

رمضان کے اس بابرکت مہینے میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔

1-نیت اور ارادہ:

پہلی چیز صحیح نیت اور پکا ارادہ ہے جو دل و دماغ میں عمل کا مقصد اُجاگر کرے اور دل میں اس مقصد کے حصول کے لئے عزم پیدا کرے جس طرح زندہ اور مردہ جسم میں بظاہر کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن زندہ جسم حرکت اور عمل کی قوت رکھتا ہے جبکہ مردہ جسم حرکت اور عمل کی قوت سے محروم ہوتا ہے۔ یہی حال اعمال کا ہے اگر ان میں صحیح نیت کی روح ہوتو وہ اثر افرینی نشو نما اور نتیجہ خیزی کی قوت رکھتے ہیں۔ رمضان المبارک کے آغاز سے پہلے تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور خود کو حاضر جان کر اس کی حمد و ثناء کریں اس کے نبی ﷺ پر درود بھیجیں۔ گناہ سے استغفار کریں اور دعاء کریں کہ وہ ہمیں اپنی راہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔

2-قرآن سے تعلق:

اس مہینے کا اصل حاصل ہی قرآن سننا اور پڑھنا، قرآن سیکھنا اور اس پر عمل کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہے۔ اس لئے آپ کو سب سے زیادہ اہتمام جس چیز کا کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ

آپ زیادہ سے زیادہ وقت قرآن مجید کی صحبت و معیت میں بسر کریں۔ آپ کا دل اور آپ کی سوچ قرآن کے فیض جذب کر لے، اور آپ کے اندر اس کے مطابق عمل کیلئے آمادگی پیدا ہو۔

نمازِ تراویح کی پابندی سے کم سے کم اتنا ضرور حاصل ہوتا ہے کہ آپ پورا قرآن ایک بار سن لیتے ہیں۔ اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اللہ کا کلام سننے کا روحانی فائدہ اپنی جگہ پر بہت قیمتی ہے۔ اس مہینے میں جبرائیل علیہ السلام خود آ کر نبی کریم ﷺ کو قرآن مجید کا ایک دورہ مکمل کروایا کرتے تھے۔ (بخاری: ابن عباسؓ)۔

آنے والے رمضان کی پہلی تاریخ سے آپ اس ارادے کے ساتھ قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا کام شروع کر دیں کہ جب اگلا رمضان آئے گا تو اس وقت تک آپ ایک دفعہ پورا قرآن مجید پڑھ چکے ہونگے۔ اس مقصد کیلئے روزانہ ایک یا ڈیڑھ رکوع سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس کام کا آغاز اسی رمضان سے کرنے سے اللہ تعالیٰ کی برکت آپ کے شاملِ حال رہے گی۔ سمجھ کر پڑھنے کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ قرآن کو اپنے اندر جذب کریں، اور اس کے ساتھ اپنے دل اور روح کے تعلق کو گہرا کریں اور پروان چڑھائیں۔

جب اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہیں تو سننے اور پڑھنے والوں کے دل کانپ اُٹھتے ہیں اور نرم پڑ جاتے ہیں، ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں، ان پر گریہ طاری ہو جاتا ہے، ان کا ایمان بڑھتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ جب قرآن مجید پڑھو تو رو، اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کرو، اس لئے کہ قرآن حزن کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

3-اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنا:

روزے کا مقصد تقویٰ پیدا کرنا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تقویٰ کی افزائش کا موسم بہار ہے۔ اس لئے اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچنے کی خصوصی کوشش کرنا ضروری ہے۔ وہ آدمی بڑا ہی بدقسمت ہوگا جو بڑے اہتمام سے روزے رکھے، نمازیں پڑھے، صدقہ و

خیرات کرے، قرآن پڑھے پھر قیامت کے دن اللہ کے حضور اس حال میں آئے کہ گردن پر لوگوں کی طرف سے دعوؤں کا ایک انبار ہو کسی کو مارا، کسی کو گالی دی، کسی کا دل دکھایا، کسی کا مال ناحق کھایا نبی ﷺ نے فرمایا۔ میری اُمت کا اصل مفلس ایسا ہی شخص ہوگا جسکی تمام نیکیاں دعویداروں کو دی جائیں گی اور ان کے گناہ اس کے سر ڈالے جائیں گے۔ اور اسے سر کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم) اچھی طرح جان لیں کہ روزہ صرف بھوکا رہنے کا نام نہیں بلکہ آنکھ کا بھی روزہ ہے، زبان، کان، ہاتھ اور پاؤں کا بھی روزہ ہے۔

4-نیکی کی جستجو:

ہر لمحے، ہر قسم کی نیکی کی طلب اور جستجو تو مومن کی فطرت کا جزو ہونا چاہیے، لیکن رمضان کے مہینے میں اس معاملے میں خصوصی توجہ اور کوشش ضروری ہے۔ کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس میں ایک نیکی کو بڑھا کر ستر نیکیاں ملتی ہیں۔ اس سلسلہ میں کوئی تین نیکیاں خاص طور پر چن لیں۔ مثلاً نماز با جماعت پڑھیں گے۔ کسی کو ایذا نہ پہنچائیں گے۔ ہر ایک سے مسکرا کر ملیں گے۔

5-قیام الیل:

رات کا قیام اور تلاوت قرآن، اپنا احتساب اور استغفار، تقویٰ کے حصول کے لئے بہت ضروری اور انتہائی کارگر نسخہ ہے۔ یہ متقین کی صفت اور علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا متقین وہ ہیں جو رات کو کم سوتے ہیں اور سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ بھی کوئی اتنا مشکل نہیں۔ سحری کے لئے اُٹھنا ہوتا ہے۔ پندرہ بیس منٹ پہلے اُٹھ کر وضو کر کے دو رکعت نفل پڑھ لیں اور تھوڑی دیر اپنے گناہوں اور غلطیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔ کیونکہ رات کے اس حصہ میں اللہ تعالیٰ دنیا والوں کے بہت قریب آتا ہے اور پکار کر کہتا ہے کون ہے جو مجھ سے مانگے میں اُسے دوں کون ہے جو اپنے گناہوں کی مغفرت چاہے کہ اس کو معاف کروں اور کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو نہ فقیر ہے اور نہ ظالم۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم اپنے ربّ کے حضور زمین پر اپنی پیشانی رکھ کر روئیں، گڑگڑائیں اور اپنے گناہوں پر استغفار کریں۔

اللہ تو اپنے بندوں کو معاف کرنے کے لئے اور انہیں بخشنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

6-ذکر و دعاء:

ذکراور دعاء کا اہتمام پوری زندگی میں ہر وقت ضروری ہے۔ذکر کیا ہے؟ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو ذکر ہے خواہ دل سے ہو زبان سے یا اعضاء و جوارح سے۔روزہ بھی ان معنوں میں ذکر ہے تلاوت قرآن اور خصوصاً نماز تو ہے ہی ذکر کی بڑی اعلیٰ و ارفع صورت۔لیکن رمضان المبارک میں زبان سے ذکر یعنی کلماتِ ذکر کا ورد اور دعاء کا اہتمام بہت ضروری اور نافع ہے۔یہ عمل نفل ہے لیکن ثواب فرض کا پاتا ہے۔اس سے غفلت دور ہوتی ہے اور رمضان کی خیر و برکت حاصل کرنے پر توجہ مرکوز رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔اس لئے سحری کے وقت یا رات کے کسی حصہ میں تھوڑی دیر بیٹھ کر نفی اثبات کا ذکر ضرور کریں پھر اللہ سے اپنے گناہوں سے مغفرت کی دُعاء کریں پاس انفاس تو کسی صورت نہ چھوڑیں۔

7-شبِ قدر اور اعتکاف:

شبِ قدر وہ مبارک رات ہے جس میں قرآن مجید فرقان حمید نازل ہوا۔یہ رات ہزار مہینوں اور ہزار سالوں سے بہتر ہے۔یہ رات آخری عشرہ کی طاق راتوں میں پائی جاتی ہے۔اس رات اللہ کے فرشتے جبرائیلؑ کی قیادت میں نازل ہوتے ہیں اور عبادت میں مشغول لوگوں کے لئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں۔اس رات کو پوشیدہ رکھنے کا راز یہ ہے کہ لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں رہیں،محنت کریں اور آتشِ شوق کو بڑھائیں،اس رات کو ڈھونڈنے کا آساں اور بہترین طریقہ یہ ہے کہ آخری عشرہ کے اعتکاف کی نیت ابھی سے کرلیں۔اعتکاف اپنے محلّہ کی مسجد میں پوری پابندی اور مکمل شرائط کے ساتھ اللہ کا مہمان بن کر کریں تو یقیناً اللہ اپنی برکتوں اور رحمتوں کے خزانے کھول دے گا۔کیونکہ متواتر دستک سے دروازہ کھل ہی جاتا ہے۔زبان کو ہر وقت اللہ کے ذکر سے تروتازہ رکھیں اور آہِ سحر گاہی کی لذت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔اعتکاف کی اصل روح ہی یہ ہے کہ کچھ مدت کے لئے دنیا سے علیحدہ ہو کر گھر بار چھوڑ کر اہل وعیال

سے کنارہ کش ہوکر اللہ کے گھر میں گوشہ نشین ہوکر سارا وقت اس کی یاد میں بسر کریں۔

8- انفاق فی سبیل اللہ :

نماز کے بعد سب سے بڑی عبادت اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔انفاق فی سبیل اللہ متقین کی لازمی صفت ہے،تقویٰ کی بنیادی شرط ہےاو رتقویٰ پیدا کرنے کے لئے ناگزیر ہے۔ رمضان میں انفاق، روزے کے ساتھ مل کر،حصول تقویٰ کیلئے آپ کی کوشش کو کئی گنا زیادہ کارگر اور بارآور بنادے گا۔پس آپ رمضان میں اپنی مٹھی کھول دیں۔اللہ کے دین کی اقامت وتبلیغ کیلئے،اقرباء کیلئے،مسکینوں کیلئے، جتنا مال بھی اللہ کی راہ میں نکال سکیں، نکالیں۔انفاق فی سبیل اللہ میں کسی بدلےاورشکریے کی خواہش آپ کے دل میں نہ ہو۔

9-انسان کی مدد اور خدمت:

رمضان کا مہینہ بہن بھائیوں کے ساتھ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے۔آپ کی اپنی بھوک پیاس جہاں آپ میں تقویٰ،ضبط نفس،اوامر الٰہی کی اطاعت،اورصبر کی صفات پیدا کرنے کاذریعہ بن سکتی ہے، وہیں یہ آپ کو دوسرے انسانوں پر بھوک پیاس اور دکھ درد میں جو کچھ بیتتی ہےاس کااحساس دلاتی ہے۔

قرآن کی وجہ سے رمضان کوعزت وشرف حاصل ہوا ہے۔پھرنزول کے مہینے سے زیادہ موزوں وقت اس کام کیلئے کیا ہوسکتا ہے کہ آپ لوگوں تک قرآن کا پیغام پہنچائیں،ان کو قرآن کی تعلیمات سے آگاہ کریں اوران کوقرآن کی امانت کا حق ادا کرنے کیلئے کھڑا کریں۔ رمضان میں نیک کاموں کا جومعمول بنائیں،اس میں اللہ کی طرف بلانے، نیک بات کرنے،اللہ کے دین کیلئے سرگرم کرنے کا کام بھی شامل کرلیں۔دعاء ہے کہ اللہ کریم ہم سب کو ماہِ صیام کے روزے پوری پابندی سے رکھنے اوراس ماہ کےفیوض وبرکات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

اللہ تعالیٰ سے محبت

(علامہ ابن قیم جوزیؒ)

اللہ سے محبت کا مقام اور رتبہ سب سے اعلیٰ اور بلندتر مقامات میں سے ہے اور دولتِ محبت سے بہرہ ور ہونے کے بعد ہر مقام محبت ہی کا نتیجہ اور ثمرہ ہوتا ہے جیسے شوق، اُنس، رضا اور محبت سے پہلے کے مقامات بھی دراصل محبت ہی کے پیش خیمہ ہوتے ہیں جیسے توبہ، صبر، زہد وغیرہ۔

قطعی طور پر سب سے نفع تر، واجب تر، اعلیٰ تر محبت وہی ہے کہ قلوب اللہ کی محبت کرنے پر گوندھ دیئے گئے ہوں اور انسانی فطرت اس کے معبود کے اقرار و اعتراف پر مجبور ہو۔ کیونکہ معبودِ حقیقی وہی ہوسکتا ہے کہ قلوب اس کی ہیبت، اس کے جلال، اس کی عظمت، اس کیلئے خشوع وخضوع اور اس کی عبادت وبندگی کا اعتراف کرنے لگیں، اور عبادت وبندگی کرنے کے لائق صرف اللہ وحدہٗ کی ذات مبارکہ ہے اور عبادت کمال خضوع کے ساتھ کمال محبت ہی کو کہتے ہیں۔

کیونکہ قلوب ہر اس شخص کے ساتھ طبعی طور پر محبت رکھتے ہیں جو ان سے حسنِ سلوک اور نوازش وانعام کا معاملہ کرتا ہے تو پھر کیونکر اس ذات سے محبت نہ کریں کہ تمام احسان و اکرام کا معاملہ اسی کی طرف سے ہو اور ساری مخلوق پر جو بھی نیکی و بھلائی پہنچتی ہے اسی ذات وحدہٗ لاشریک کی شان قدرت سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور جو کچھ تمہارے پاس نعمت ہے سو اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی مصیبت پیش آجائے تو اسی کی طرف نالہ وفریاد کرتے ہو"۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماءِ حسنیٰ اور اپنی صفاتِ عالیہ سے جس طرح اپنا تعارف اپنے بندوں سے کرایا ہے جو اللہ کے وجود پر اس کے کمال مصنوعات کی نشانیاں اور جو اس کے غیر معمولی جلال وعظمت پر دلالت کرتی ہیں یہ تمام چیزیں بندوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں اور ان سے خدا کی سی محبت کرتے ہیں لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو سب سے زیادہ اللہ ہی سے محبت کرتے ہیں"۔ (البقرہ-165)

"اے ایمان والو جو کوئی تم میں اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ عنقریب ایسی اقوام کو لائے گا جو اللہ کو محبوب ہونگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں"۔(المائدہ)

نبی مکرم ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا:

" کوئی بندہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کے نزدیک اس کے لڑکے اور اس کے والد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں"۔

آپ ﷺ نے حضرت عمر بن خطابؓ سے فرمایا:

"یعنی تم مومن نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ میں تمہیں سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"

جب نبی ﷺ محبت میں ہمارے نفس سے زیادہ حقدار ہیں تو کیا پھر اللہ پاک اپنی محبت اور عبادت کے بارے میں ہمارے نفس سے زیادہ مستحق نہیں ہوں گے!"۔

اللہ کی طرف سے جو کچھ بھی بندے کو پہنچتا ہے اس میں بندے کیلئے اللہ سے محبت کا پیام مضمر ہوتا ہے چاہے بندہ انہیں پسند کرتا ہو یا ناپسند۔اس کی عطاو بخشش اور اس سے رک جانے ،اس کے درگزر کرنے اور اس کی آزمائش اور اس کے روزی کے تنگ کرنے اور اسے وسیع کرنے، اس کے عدل و فضل اور اس کے مارنے جلانے ،اس کی بھلائی ،اس کی رحمت ،اس کے احسان، اس کی ستر پوشی ،اس کے عفوو حلم ،اس کے بندوں کے اوپر صبر کرنے اور اس کے دعا کے قبول کرنے ،اس کی مصیبت کو دور کرنے۔اس کی فریاد کو سننے اور اس کی تکلیف کو زائل کرنے میں قلوب کے لئے اللہ کی بندگی اور اس کی محبت کی دعوت کا سامان موجود ہے۔اگر ایک شخص کسی کے ساتھ ادنیٰ درجہ کی کوئی نیکی و بھلائی کرتا ہے تو اس کا دل اس کی محبت کے لئے بے اختیار ہو جاتا ہے

،پھر بندہ اپنے دل اوراعضاء سے اس ذات وحدہٗ سے محبت کیونکر نہ کرے جس کی بھلائی اور احسان کو گناہوں کے باوجودہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔

مخلوق میں سے جس سے بھی تم محبت کرتے ہواوروہ تم سے محبت کرتا ہےتو اس سے اس کاارادہ اپنی ذات کے لئے ہوتا ہےاوراس کی کوئی غرض تم سے وابستہ ہوتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی محبت جوہوتی ہےوہ صرف تمہارے لئے ہوتی ہے۔

اورمخلوق میں سے جس کے ساتھ بھی تم معاملہ کرتے ہواگراس معاملہ میں اس کے لئے کوئی فائدہ نظر نہ آتا ہوتو وہ تمہارے ساتھ معاملہ نہیں رکھے گااور یہ بات ضروری ہے کہ اس کے لئے کسی طرح کا بھی فائدہ ملے،لیکن اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ اس لئے معاملہ کرتا ہے کہ تمہیں بڑے سے بڑا فائدہ حاصل ہو،اسی لئے وہ ایک درہم کا ثواب دس گنا سے سات سوگنا تک کردیتا ہے لیکن ایک برائی کابدلہ ایک برائی ہی سے دیتا ہےاوربرائی بہت جلد مٹ بھی جانے والی ہوتی ہے

نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمہیں اپنے لئے پیدا فرمایا اوردنیااورآخرت کی تمام چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں ۔لہٰذا اس کی محبت کے سلسلہ میں جدوجہد صرف کرنے اوراس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس سے زیادہ کون مستحق ہوسکتا ہے۔

تمہارا مطالبہ اورحقوق بلکہ ساری مخلوق کا مطالبہ اسی کے پاس ہے، کیونکہ وہی سب سے بڑا فیاض اورنہایت سخی ہے اپنے بندوں کوان کے سوال کرنے سے پہلے ہی ان کی توقع سے زیادہ عطا کرتا ہے۔تھوڑے عمل کوقبول فرما کراس میں ترقی دیتا ہے لوگوں کی بہت سی خطائیں معاف کرکےانہیں مٹادیتا ہے۔آسمان وزمین کی ہرایک چیز اسی سے سوال کرتی ہے،ہرروزاس کی ایک نئی شان ہوتی ہے،کسی بات کاسننااسے غافل اورنہ کثرت مسائل اسے غلطی میں مبتلا کرتے ہیں اورنہ لوگوں کے بہت اصرار کرنے سے اُکتاتا اوربیزار ہوتا ہے بلکہ دُعامیں آہ وزاری کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہےاوروہ یہ پسند فرماتا ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اوراس سے سوال نہ کرنے سے غصہ ہوتا ہےاسے اپنے بندوں سے شرم وحیا آتی ہےلیکن لوگوں کواس سے شرم نہیں آتی،وہ لوگوں

کی ستر پوشی کرتا ہےلیکن لوگ اپنی خود ستر پوشی نہیں کرتے، وہ بندوں پر رحم فرماتا ہےلیکن بندے اپنے آپ پر رحم نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنےفضل واحسان کے ذریعہ لوگوں کو اپنی عظمت وبڑائی اور اپنی رضاو خوشنودی کی طرف بلایا لیکن لوگوں نے اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا، پھر لوگوں کی ہدایت کے لئے انبیاءورسولوں کو مبعوث فرمایااوران کے ساتھ اپنی تعلیمات اور عہدو میثاق بھی بھیجا اوراسی پر اکتفانہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ خود بنفسِ نفیس ہررات کے آخری حصہ میں اتر کرآتا ہے اور نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہ فرماتے ہیں "ہمارا ربّ ہررات سماءِدنیا تک نزول فرماتا ہے، جس وقت کہ آخری رات کی تہائی باقی رہ جاتی ہےاور فرماتا ہےکوئی ہے! جومجھ سے دُعا کرے میں اس کی دعا کوقبول کروں اور کوئی ہے! جومجھ سے مانگے میں اس کوعطا کروں اورکوئی ہے! جومجھ سے معافی چاہے میں اس کومعاف کردوں۔"

قلوب اس سے محبت اس لئے کرتے ہیں کہ ہر بھلائی اور نیکی کا پہنچانے والا وہی ہے دعاؤں کاقبول کرنا، لغزشوں کومعاف کرنااور عیبوں کوپوشیدہ رکھنااسی کا کام ہےاوروہی دردوغم کو دورکرتا ہےاور فریادوں کوسنتا ہےاوراس کےسوا کون ہے جوفرمائشوں پر دیتا ہو؟

پس اسی کا سب سے بڑاحق ہے کہ اسے یاد کیا جائے اس کاشکر ادا کیا جائے اس کی عبادت کی جائے، اس کی حمدوتعریف کی جائے اوراگر اس سے مدد طلب کی جائےتو سب سے زیادہ مدد کرنے والا، سب سے زیادہ رحم دل، اگراس سے سوال کیاجائےتو سب سے بڑا فیاض اورسخی، فضل وبخشش میں نہایت فراخ دل، اگراس سے رحم چاہا جائےتو بہت مہربان وشفیق اگراس کا قصد کیا جائےتو نہایت شریف اوربزرگ اوراگراس کی طرف پناہ لی جائےتو انتہائی قوی اور زبردست اوراگراس پرتوکل اوراعتماد کیا جائےتو سب سے زیادہ کفالت کرنے والا ہے۔ اوراپنے بندے پراس ماں سے زیادہ رحم وشفقت کرنے والا ہے جواپنے بچے پر کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جوکسی ایسی غیرآباداور سنسان زمین پراتر گیا جو سامان حیات سے خالی اوراسباب ہلاکت سے بھرپور ہواور

اس کے ساتھ بس اس کی اونٹنی ہو اس پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو پھر اچانک وہ اونٹنی کو غائب پائے اور وہ اپنی زندگی سے ناامید ہو گیا ہو لیکن پھر وہ اچانک دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا مومن بندے کے توبہ کرنے سے خدا اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے وہ ایسا بادشاہ ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور ایسا منفرد کہ اس کے برابر کوئی نہیں، ہر چیز ہلاک ہو جانے والی ہے سوائے اس کی ذات کے، اس کی مشیت سے ہی اطاعت وفرمانبرداری ہوتی ہے اور اس کے علم میں ہوتے ہوئے معصیت ہوتی ہے بندے کی اطاعت وفرمانبرداری کو قبول کرتا ہے اور اس کی توفیق اور فضل سے بندے کو اطاعت وفرمانبرداری کرنے کی توفیق ملتی ہے اور بندے کے گناہ کو معاف اور اس کی مغفرت فرما دیتا ہے عہد و وعدہ کو پورا کرنے والا اور انتہائی عدل وانصاف کرنے والا ہے نفسوں کے درمیان حائل ہے لوگوں کی پیشانیاں اس کے قبضہ میں ہیں، آثار وعلامات کو لکھتا ہے اور اوقات کو منسوخ کر دیتا ہے اور دل اس سے راز فاش کرتے ہیں۔ ہر شخص اس سے مدد چاہتا ہے اور تمام چہرے اس کے نور سے جھکے ہوئے ہیں اور عقل و دانش اس کی حقیقت تک پہنچنے سے عاجز وقاصر ہیں اور اس کے نظیر او رمثیل نہ ہونے پر تمام طبعی اور قدرتی چیزیں اور سارے دلائل وبراہین دلالت کرتے ہیں اور اس کے چہرہ کے نور و تابش سے تاریکیاں چھٹ گئیں اور زمین و آسمان روشن ہو گئے ہیں اور اس کی وجہ سے تمام مخلوقات کے اندر رورنگی اور عمدگی پیدا ہو گئی ہے اور وہ سوتا نہیں ہے، رات کا عمل دن آنے سے پہلے پہلے اس کے پاس پہنچ جاتا ہے اور دن کا عمل رات کے آنے سے قبل پہنچ جاتا ہے اس کا حجاب ایسا نور ہے اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرے کا جلال مخلوق کی انتہائے نظر تک کو جلا کر رکھ دے

اللہ تعالیٰ کی محبت قلوب کی زندگی اور ارواح کی غذا ہے اور اس کی محبت ہی سے قلب کے لئے لذت کامیابی معرفت اور زندگی ہے اور قلب جب محبت الٰہی سے محروم ہو جائے تو اسے اس قدر تکلیف اور درد و بےچینی ہوتی ہے جتنی آنکھ کو اس کی قوت بینائی کے نہ ہونے سے بھی نہیں ہوتی ہے اور نہ کان کو قوت سماعت کے نہ ہونے سے ہوتی ہے بلکہ قلب خرابی جب وہ اپنے خالق و

مالک کی محبت سے خالی ہوتو یہ اس جسم وبدن کی خرابی سے بڑی خرابی ہے جب روح اس سے نکل جائے اور یہ ایسی چیز ہے جس کی تصدیق وہی کرسکتا ہے جس کے اندر زندگی ہو ورنہ تو پھر بے جان جسم پر زخم سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

حضرت فتح موصلیؒ نے فرمایا: "محبت کرنے والے کے لئے اللہ کی ذات کے سوا کوئی لذت نہیں" اور وہ ذکرِ الٰہی سے پلک جھپکنے کے بقدر بھی غافل نہیں ہوتے ہیں۔اور بعض سلف صالحین نے فرمایا "محبت کرنے والے کا دل ہمیشہ مائل بہ پرواز ہوتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے اور انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ نوافل وآداب کو بجالا کر ان سے اللہ کی رضا وخوشنودی کو طلب کرتا ہے"۔

سلف صالحین میں سے ایک عورت نے اپنے بچوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا اپنے آپ کو اللہ کی محبت اور اس کی اطاعت کا عادی اور خوگر بنادو کیونکہ اللہ کی عبادت سے انس حاصل کرنے کے بعد اصحابِ تقوی اور ان کے اعضاء کو غیر اللہ سے وحشت ہو جاتی ہے اگر کوئی ملعون کوئی گناہ کا کام ان پر پیش کرتا ہے تو وہ گناہ ان کے سامنے سے شرم وحیا سے گزر جاتا ہے اور وہ اس گناہ کا دل سے انکار کرتے ہیں۔

"تم اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرتے ہو اور اس کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو،میری عمر کی قسم عقل وقیاس کے لحاظ سے یہ بات بالکل انوکھی ہے اگر تمہاری محبت اس سے سچی ہوتی تو تم بالضرور اس کی اطاعت کرتے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کا مطیع اور فرمانبردار ہوتا ہے"۔

اعتصام باللہ

(عبدالرشید ساھی)

وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللہِ جَمِیعاًo (آلِ عمران آیت۱۰۳)

"اور مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر"۔

اللہ کی رسی سے مراد قرآن ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کِتَابُ اللہِ ھُوَ حَبلُ اللہِ اَلْمَمْدُوْدُ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الاَرْض یعنی کتابُ اللہ، اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔(ابن کثیر) محاورۂ عربی میں حَبْــل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے، اسکو بھی حَبل سے تعبیر کرتے ہیں۔قرآن یا دین کو رسّی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہلِ ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حکم صادر فرمایا ہے کہ اس کو مضبوطی سے پکڑ لو یعنی قرآن پاک پر تم سب کما حقہ عمل کرو ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اسی طرح اتفاق واتحاد کی نعمت میسر آ سکتی ہے جس سے ہمارے دین و دنیا کے حالات سنور سکتے ہیں اللہ پاک قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں :ترجمہ: "جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اللہ تعالیٰ ان کی آپس میں دوستی و محبت پیدا فرما دیتے ہیں" ۔"(سورۂ مریم:۹۶)

قرآن کریم سے تمسک (جڑنا) ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہو جاتی ہیں اور ایک مردہ قوم حیاتِ جاوداں حاصل کر لیتی ہے۔زندگی کی اس رزم گاہ میں جہاں شکست و ریخت تعمیر وتخریب اور فنا و بقا کا ایک نہ ختم ہونے والا چکر چل رہا ہے کوئی قوم عزت و وقار سے زندہ و سلامت نہیں رہ سکتی جب تک اس کے افراد میں اتفاق و اتحاد نہ ہو اور کوئی اتحاد پائیدار نہیں ہو سکتا جب تک محکم اور حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت تعمیر نہ کی گئی ہو۔اُمت مسلمہ جو کہ دولتِ

رُشد وہدایت کی امین اور رحمت خداوندی کی قاسم بنا کر بھیجی گئی ہے۔جسے ہر باطل سے ٹکرانا اور ٹکرا کر اسے پاش پاش کرنا ہے قلب ونظر کے سارے صنم کدے مسمار کرنے ہیں جسے ہر دل کو بیت اللہ اور ہر نگاہ کو اس سے شناسا بنانا ہے۔اس قوم کے لئے ضروری ہے کہ اپنے بلند اور پاکیزہ مقصد کے لئے زندہ رہے تاکہ اس کی آواز سنی جاسکے اور مانی بھی جائے۔اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس کے افراد میں اتحاد واتفاق ہو اور وہ اتحاد حقیقی و پائیدار رہو اس لئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو متحد ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے لئے وہ مستحکم بنیاد مقرر فرمائی ہے جس سے محکم تر کوئی اور بنیاد نہیں ہوسکتی وہ قرآن کریم ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر اور تم خوار ہوئے طارق قرآں ہوکر

رحمت عالمﷺ کی تشریف آوری سے قبل عرب کے جزیرہ نما کی کیا حالت تھی وہ آپس میں اُنس ومحبت اور شفقت ورحمت کرنے والے انسانوں کا ملک نہیں تھا بلکہ ایک کوہ آتش فشاں تھا جس سے ہر لحظہ اور ہر لحہ بغض وعناد کی آگ برستی رہتی تھی اور دور، دور تک آبادیاں جل کر خاکستر ہوجایا کرتی تھیں ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسر پیکار تھا ہر علاقہ دوسرے علاقہ سے جنگ آزما تھا جذبات اتنے مشتعل اور بے قابو تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر خون کی ندیاں بہہ جایا کرتی تھیں ایک بار اگر جنگ کی آگ سلگ پڑتی تھی تو صدیوں اس کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے اوس، خزرج قبیلوں میں 120 سال سے لڑائی کا سلسلہ جاری تھا۔کسی کی جان ومال محفوظ نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اسلام کا بادل آیا اور رحمت خداوندی بن کر برسا۔حضورﷺ سراپا نور وسرور کا ظہور رہوا تو عرب کے اجڑے دیار میں بہار آ گئی۔عداوت کی جگہ محبت ووحشت کی جگہ اُنس نے انتقام کی جگہ عفو نے،خودغرضی کی جگہ اخلاص وایثار نے اور غرور وتکبر کی جگہ تواضع وانکساری نے لے لی۔ یہ وہ انقلاب تھا جس نے عرب کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور جس کی برکت سے عرب کے صحرانشینوں نے تاریخ عالم کا رخ موڑ دیا۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

اللہ تعالیٰ اپنے اسی احسان عظیم کی یاد تازہ کرا رہا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے کریم محبوب ﷺ کی برکت اور نگاہ فیض سے تمہارے ٹوٹے ہوئے دل جوڑ دیئے اور تمہیں بھائی بھائی بنا دیا اور ذلت و پستی کی رسوائیوں سے نکال کر ترقی و عزت کی شاہراہ پر گامزن فرما دیا تم دوزخ کے کنارے پر کھڑے تھے بس آنکھ بند کرنے کی دیر تھی لیکن رحمت الٰہی نے تمہاری دستگیری فرمائی اور تمہیں آتش جہنم میں گرنے سے بچا لیا ان احسانات کو یاد کرو اور یاد رکھو اور اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اپنی صفوں میں انتشار کو جگہ نہ دو۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ دین حق کو مسلکوں کی نظر کر دیا گیا۔ ملت اسلامیہ کو ذات پات کی علت میں مبتلا کر دیا گیا۔ اُمت کو فروعی مسائل میں الجھا دیا گیا اس اُمتِ واحدہ میں غیروں نے علماء سوء کو داخل کر دیا اور دین اسلام کو مجدد الف ثانی کے دور میں دین اکبری بنا دیا گیا علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

ملائے کم نظر نے امت میں پھوٹ ڈالی تسبیح مصطفی ﷺ ہے صدیوں سے دانہ دانہ
اقبالؔ مدرسوں نے دانش تو عام کر دی کم یاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ

یہ دین قیم جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ اور اشاعت ایک اہم فریضہ ہے یہ دونوں کام یعنی ملت اسلامیہ کو شاہراہ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغام رشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ ہیں اس لئے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے جس کا علم و عمل اور ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسول اکرم ﷺ کا مظہر کامل ہو۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

سبق پھر پڑھ صداقت کا شجاعت کا عدالت کا لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس جماعت میں علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانی پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں اس کے لئے جس بڑی سے

بڑی مالی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے وہ پوری ہونی چاہیے۔ اگر ملت اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کرے گی تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کے لئے جواب دہ ہوگی تاریخ شاہد ہے جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے گلشن اسلام میں بہار رہی جب تک مدارس اسلامیہ غزالی، رازی، سعدی اور بیضاوی اور خانقاہیں رومی، ہجویری، اجمیری، زکریا ملتانی اور شیخ احمد سرہندی جیسی ہستیاں تیار کرتی رہیں کفر کے ظلمت کدے اسلام کے نور سے روشن ہوتے رہے۔ حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخر کرتی رہی لیکن اب؟ میرا چہرہ دیکھ لو اس پر میری حرماں نصیبی کی داستاں کا ہر حرف کندہ ہے میرا حال نہ پوچھو یہ اتنا درد انگیز ہے کہ نہ مجھ میں بیان کرنے کی ہمت اور نہ تم میں سننے کی تاب۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟　　وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو گروہ بندی اور آپس کے اختلافات کے نقصانات سے آگاہ فرمانے کے لئے ان قوموں کا ذکر کیا ہے جو اس لعنت میں گرفتار رہیں تاکہ مسلمان اسے سنیں اور نصیحت پکڑیں۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کے اصولوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور فروعی اور جزوی مسائل کو انہوں نے اتنی اہمیت دے رکھی تھی کہ انہی کی وجہ سے کفر کے فتوے لگائے جاتے اور ملت کی واحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا تھا۔ آج ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک کتاب اور ایک ہی کعبہ والی قوم نے اپنے آپ کو بے شمار فرقوں میں بانٹ رکھا ہے اور علمائے سو نے ان کے درمیان نفرت عداوت کی اتنی بلند دیواریں کھڑی کر دی ہیں کہ اب ان کے آپس میں مل بیٹھنے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑا قادر و قوی ہے وہ چاہے تو چشم زدن میں ہماری آنکھوں سے پردے ہٹا دے۔

میرے ذہن میں ایک تجویز ہے کہ حکومت وقت تمام فرقوں اور مسلکوں پر پابندی لگا کر وزارت مذہبی امور میں تمام مسلکوں کے اعلیٰ ظرف اور وسیع القلب علماء کی ٹیم کو نامزد کر دیا جائے

وہاں سے ایسا مواد پرنٹ کروا کر مساجد اور مدرسوں کو بھیجا جائے جس میں سے نفرت اور عداوت کی بو کو ختم کر دیا جائے اور نماز جمعہ کے موقع پر دیئے جانے والے تمام خطبات کی کاپیاں بھی وزارت مذہبی امور سے ہی مساجد کو بھیجی جائیں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرما کر قتل وجدال کی فضاء جو مسلکی مساجد و مدرسوں نے پیدا کر دی ہے اسکو بہتر بنایا جا سکے دوسری تجویز ہے کہ مسلک میں نظام عدل کو شفاف تر بنا دیا جائے اور ساتھ ہی اس نظام عدل کو جو کہ فرنگی کا عطا کردہ نظام ہے اس کو بدل کر یہاں اسلام کا نظام عدل نافذ فرمایا جائے اس سے بھی مسلک کو ترقی کرنے اور پروان چڑھنے میں کافی مدد ملے گی ہر طرف امن اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گا ملک سے بد دیانتی اور رشوت، سرکاری فنڈز کی خورد برد بند ہو جائے گی اور ملک تھوڑے عرصہ میں خوشحال ہو جائے گا۔

الحاد و دہریت کے طوفانوں نے ہمارے بنیادی عقائد کے قلعوں میں شگاف ڈال دیئے ہیں بے حسی اور بے بسی نے ہماری تعمیری صلاحیتوں کو نا کارہ بنا دیا ہے ہم خوب جانتے ہیں کہ بخارا، سمرقند، تاشقند، اور بغداد کے اسلامی مراکز کا روسی کمیونزم نے کیا حشر کیا عظیم مساجد، اسلامی جامعات اور خانقاہیں ویران کر دی گئیں وہاں کی مساجد، سجدوں کیلئے، فلک بوس مینارے صدائے آذان کے لئے مدارس قرآن وسنت کے لئے اور خانقاہوں کے درو دیوار ذکر الٰہی کیلئے ترس رہے ہیں سارے چراغ گل ہو گئے سارے چشمے خشک ہو گئے۔ لیکن ہمیں اپنے گروہی نظریات اور مفادات اتنے عزیز ہیں کہ ہم اسلام کے بنیادی عقائد ونظریات کا چمن اجڑتا دیکھ سکتے ہیں یہی عذاب عظیم ہے۔ کسی قوم کے لئے بے حسی اور بے بسی سے بڑا عذاب کوئی نہیں ہو سکتا۔

وائے ناکامی متائے کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ایک کر دے ہم میں اتفاق و اتحاد کی فضاء پیدا فرما دے اے اللہ ہم پر رحم فرما۔ اے گنبد خضریٰ کے مکین ہماری چارہ سازی فرما۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے نیل کے ساحل سے لیکر تا بخاک کاشغر

تعلق مع اللہ

(مرسلہ:محمد قاسم توحیدی)

بجلی کے بلب کا کنکشن ایک پاور ہاؤس سے جڑنا کوئی عام قسم کا واقعہ نہیں ۔یہ ایک غیر روشن چیز کا ایسی چیز سے جڑنا ہے جو دوسری چیزوں کو روشن کرنے کی غیر معمولی طاقت رکھتی ہے اس کا فوری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک "مردہ"بلب "زندہ"بلب بن جاتا ہے ۔ایک تاریک بلب میں روشنی کا فوارہ پھوٹ پڑتا ہے ۔ایسا ہی کچھ معاملہ بندے اور اللہ کے تعلق کا بھی ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہماری دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے ۔اسلئے اللہ کو پانا محض سادہ سا واقعہ نہیں ۔یہ نفسیات انسانی میں پیش آنے والا سب سے بڑا واقعہ ہے ۔یہ ایک بھونچال ہے جس سے آدمی کا پورا وجود ہل جاتا ہے ۔اللہ کو پانے کے بعد کوئی شخص ویسا نہیں رہتا جیسا وہ اللہ کو پانے سے پہلے تھا اللہ کا مومن وہ ہے جو اس کے بعد ایک نیا انسان بن جائے ۔

اللہ کو پانا جس کو شریعت کی اصلاح میں ایمان کہا جاتا ہے کسی انسان کے لئے اس کی زندگی کا سب سے بڑا تجربہ ہے ۔اللہ پر ایمان یہ ہے کہ ایمان آدمی کو اس طرح ملے کہ وہ اس کی زندگی بن جائے ۔وہ ایسی روشنی ہو جس سے اس کا پورا وجود چمک اٹھے ۔وہ ایسا رنگ ہو جس میں اس کے سارے معاملات رنگے ہوئے نظر آئیں ۔

ایمان اللہ کی موجودگی کو پالینے کا دوسرا نام ہے ۔ایمان یہ ہے کہ آدمی خدا کی عظمتوں میں گم ہو جائے وہ احساس خداوندی میں سرشار ہو جائے ۔ایمان آدمی کے جذبات کا حمدِ خداوندی میں ڈھل جانا ہے ۔یہ دنیا میں رہتے ہوئے اللہ تک پہنچ جانا ہے ۔

ایمان ایک زلزلہ ہے جو اللہ کی معرفت سے آدمی کے اندر پیدا ہوتا ہے ایمان ایک سیلاب ہے جو خدا کے فیضان کو پاکر آدمی کے سینہ میں بہہ پڑتا ہے ۔ایمان خدا کو پالینا ہے اور خدا کو پانا سب کچھ کو پانا ہے ۔پھر کیا چیز ہے جو اللہ کو پانے کے بعد آدمی کو نہ ملے ۔

رائے

(جاوید چوھدری)

مجھے بے وقوفی کا پہلا احساس 1990ء میں ہوا، 1993ء میں یہ احساس شدت اختیار کر گیا مگر دوسرے احساس کی نوعیت پہلے سے یکسر مختلف تھی، میں 1990ء میں بہاولپور میں پڑھتا تھا، میرا ایک دوست راولپنڈی میں رہتا تھا، یہ دوست مجھ سے عمر میں سینئر بھی تھا، شادی شدہ بھی اور بال بچوں والا بھی، میں سردیوں کے دنوں میں اس سے ملاقات کیلئے راولپنڈی آ گیا، ہمارا پروگرام تھا ہم دونوں چند دن راولپنڈی رہیں گے، اس کے بعد برف باری دیکھنے کیلئے مری چلے جائیں گے اور میں ایک ہفتہ گزار کر واپس بہاولپور آ جاؤں گا، میں دس گھنٹے کے طویل سفر کے بعد شام کے وقت راولپنڈی پہنچا، شہر شدید سردی کی لپیٹ میں تھا میں رکشہ لے کر دوست کے گھر پہنچ گیا، اس نے دروازے پر میرا استقبال کیا، میں گرم جوشی سے اس سے لپٹ گیا، وہ بھی مجھے گلے ملا لیکن میں نے محسوس کیا اس کے معانقے میں گرم جوشی نہیں وہ مجھے اپنی بیٹھک میں لے گیا اس نے چائے کا بندوبست کیا اور میرے سامنے بیٹھ گیا، میں اس سے بلا تکان گفتگو کرتا رہا مگر وہ گفتگو میں میرا ساتھ نہیں دے رہا تھا وہ بات چیت کے دوران کھو جاتا تھا میں اس کے غیر حاضر دماغی پر خاموش ہو جاتا تو اسے بڑی دیر تک میری چاپ کا اندازہ نہیں ہوتا تھا میرے لئے اس کا یہ ٹھنڈا رویّہ پریشان کن تھا، میری پریشانی اس وقت مزید بڑھ گئی جب اس نے مجھ سے پوچھا ''آپ خیریت سے راولپنڈی آئے ہیں'' میرے لئے اس کا سوال بم ثابت ہوا کیونکہ میں اس کی دعوت پر راولپنڈی آیا تھا، میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اس نے دوسرا سوال پوچھا ''آپ کتنے دن راولپنڈی میں ہیں اور کہاں رہیں گے'' میری پریشانی انتہا کو چھونے لگی کیونکہ میں اس کے گھر ٹھہرنے کیلئے آیا تھا، میرا سامان تک اس کے ڈرائنگ روم میں پڑا تھا میں پریشانی کے عالم میں اسے دیکھتا رہا اور وہ کھوئے ہوئے انداز میں مجھے گھورتا رہا مجھ سے کوئی بات نہ بن

پائی تو میں نے جواب دیا ''میں ویسے ہی ایک دن کیلئے راولپنڈی آیا ہوں کل واپس چلا جاؤں گا اور ہوٹل میں رہوں گا'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور نہایت روکھے انداز میں کہا '' آپ اگر مزید ایک دن رُک جائیں تو ہم کھانا اکٹھا کھائیں گے'' میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا چائے کا کپ میز پر رکھا اپنا بیگ اٹھایا اور بیٹھک سے باہر نکل گیا وہ اپنی کرسی پر بیٹھ کر مجھے جاتے ہوئے دیکھتا رہا اس نے مجھے خدا حافظ تک کہنا مناسب نہ سمجھا میں شدید غصے میں تھا میں وہاں سے مری روڈ پر آیا وہاں سستا ہوٹل لیا نیند کی گولی کھائی اور گہری نیند سو گیا۔

میں اگلے دن بہاولپور واپس آ گیا مگر مجھے دوست کے روّیے نے اندر سے بری طرح توڑ دیا میں اس شخص کو دنیا کا بدتمیز ترین، غیر مہذب ترین اور مطلبی سمجھنے لگا میں اپنے آپ کو بے وقوف بھی سمجھتا تھا اور اس بے وقوفی پر اپنے اوپر لعن طعن بھی کرتا تھا میں دو اڑھائی سال تک اپنے ملنے والوں کو یہ واقعہ سناتا رہا اور لوگ مجھ سے ہمدردی اور اس شخص سے نفرت کرتے رہے آپ بھی اگر اس صورتحال کا تجزیہ کریں تو آپ کو بھی مجھ سے ہمدردی اور اس شخص سے نفرت ہو جائے گی میں نے اس واقعے کے بعد فیصلہ کیا میں کسی دوست عزیز رشتے دار اور جاننے والے کے ساتھ سیر تفریح کا کوئی پروگرام نہیں بناؤں گا میں اپنے پروگرام کا اکیلا ممبر ہوں اور اسے اکیلا ہی انجوائے کروں گا دوسرا میں کبھی کسی رشتے دار یا دوست کے گھر نہیں رہوں گا میں ہوٹل میں کمرہ لوں گا اور اس کے بعد ملاقات کیلئے دوست یا رشتے دار کے گھر جاؤں گا میں اپنا یہ معمول 23 سال سے نبھا رہا ہوں اور زندگی خوشی اور مسرت سے گزار رہا ہوں لیکن یہ خوشی اور مسرت اس کالم کا موضوع نہیں اس کالم کا موضوع میرا یہ دوست ہے جس نے مجھے راولپنڈی بلا کر شدید سردی میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا میں طویل عرصے تک اپنے دل میں اس دوست کے خلاف نفرت پال کر پھرتا رہا لیکن پھر اس نفرت کا عجیب ڈراپ سین ہوا میں یونیورسٹی سے فارغ ہو کر صحافت میں آ گیا اور ایک دن وہ دوست ہمارے ایک مشترکہ دوست کے ساتھ میرے دفتر آ گیا میں اسے دیکھتے ہی غصے سے اُبل پڑا مگر وہ میرے گلے لگا اور نرم آواز میں بولا '' آپ اپنے غصے کو چند منٹ کیلئے سائیڈ

پر رکھ دو اور میری بات سن لو اگر تم اس کے باوجود مجھے غلط سمجھو تو پھر تم اپنی نفرت کا سلسلہ جاری رکھ لینا میں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا وہ بولا میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں میری چھ بہنیں تھیں والدین نے میری شادی 20 سال کی عمر میں کر دی میرے والدین پوتا چاہتے تھے لیکن شاید اللہ کو منظور نہیں تھا میرے ہاں اوپر تلے تین بیٹیاں پیدا ہو گئیں مگر میں مایوس نہ ہوا میں اپنے والدین کی خواہش پوری کرنا چاہتا تھا میں 25 سال کی عمر میں چوتھی بار باپ بن گیا اللہ تعالیٰ نے مجھے اولادِ نرینہ سے نوازا میرا پورا خاندان خوش ہو گیا میرا بیٹا خاندان بھر کی گود میں پل کر دو سال کا ہوا لیکن پھر اسے تیز بخار ہوا اور وہ میری گود میں بیٹھا بیٹھا فوت ہو گیا میرے پورے خاندان کی جان نکل گئی وہ خاموش ہوا اور میری طرف دیکھنے لگا میرا غصہ ہمدردی میں بدلنے لگا اس نے پوچھا ''جاوید صاحب! آپ جانتے ہیں وہ بچہ کس دن فوت ہوا تھا میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا وہ بولا وہ بچہ عین اس وقت فوت ہوا جب آپ رکشے سے اپنا سامان اتار رہے تھے' میری کنپٹی میں آگ لگ گئی اس نے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھا 'میرے پاس اس وقت دو آپشن تھے' میں آپ کو اپنے دکھ میں شریک کر لیتا آپ بھی ہمارے ساتھ سوگوار ہو جاتے اور آپ کی چھٹیاں خراب ہو جاتیں دوسرا میں آپ سے یہ خبر چھپا لیتا آپ کو ہوٹل جانے پر مجبور کر دیتا آپ مجھ سے وقتی طور پر ناراض ہو جاتے لیکن آپ کی چھٹیاں اور وقت برباد نہ ہوتا میں دوسرے آپشن پر چلا گیا میں نے اپنے خاندان سے کہا میرا مہمان آیا ہے آپ کے رونے کی آواز بیٹھک تک نہیں جانی چاہیے میں اسے واپس بھجواتا ہوں اور ہم اس کے بعد اپنے عزیزوں اور رشتے داروں کو اطلاع دیں گے ''وہ رکا اس نے لمبی سانس لی اور بولا ''میں نے آپ کیلئے ان حالات میں چائے کیسے تیار کروائی آپ اندازہ نہیں کر سکتے میری بیوی، میری ماں اور میری بہنیں اندر منہ پر سرہانے رکھ کر رو رہی تھیں اور میں آپ کے پاس بیٹھا تھا میں بار بار اندر جا کر انہیں چپ کرانے کی کوشش بھی کر رہا تھا میں اس وقت گہرے صدمے میں تھا چنانچہ مجھے آپ کی باتیں سمجھ نہیں آ رہی تھیں آپ جب ناراض ہوئے اور آپ نے اپنا سامان اٹھایا تو میری ٹانگیں بے جان ہو گئیں میں آپ کے ساتھ

اُٹھ کر باہر تک نہ جاسکا میں کرسی پر بیٹھا رہا آپ جوں ہی گلی سے باہر نکلے میرے اندر سے چیخ نکلی اور اس کے بعد میرے پورے خاندان نے ماتم شروع کر دیا، یہ گہرا صدمہ تھا اس صدمے نے پہلے میری ماں کی جان لی اور اس کے چند ماہ بعد میرے والد بھی فوت ہو گئے۔ پھر میری بیوی بیمار ہو گئی اور میں پے در پے صدموں کا شکار ہوتا چلا گیا میں اب ذرا سا سنبھلا ہوں تو میں اپنی پوزیشن کلیئر کرنے کیلئے آپ کے پاس آ گیا وہ خاموش ہوا تو میری آنکھیں برسنے لگیں میں اس کے صبر اس کی ہمت پر حیران تھا وہ اپنے اکلوتے بیٹے کی نعش اندر چھوڑ کر میری خدمت کرتا رہا اور میں اڑھائی سال تک اسے مطلبی، جاہل ظالم اور بدتمیز سمجھتا رہا میں اس سے نفرت کرتا رہا اور مجھے اس وقت دوسری بار اپنے بے وقوف ہونے کا احساس ہوا۔

ہم دوسروں کے بارے میں اتنی دیر میں رائے قائم کر لیتے ہیں جتنی دیر میں مرغی کا انڈہ بوائل نہیں ہوتا دنیا کے ہر انسان کے چوبیس پہلو ہوتے ہیں اور یہ پہلو ہر دس پندرہ بیس منٹ بعد تبدیل ہو جاتے ہیں مگر ہم جس پہلو کو دیکھتے ہیں ہم اسے حتمی سمجھ کر رائے قائم کر لیتے ہیں اور اس عارضی رائے کی بنیاد پر اس پوری شخصیت کو رد کر دیتے ہیں یا پھر اسے اپنا محبوب بنا لیتے ہیں ہم کسی شخص کو کسی کمزور لمحے میں کسی سے لڑتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم اسے لڑاکا یا جھگڑالو سمجھ لیتے ہیں کسی کو بھاؤ تاؤ کرتے دیکھتے ہیں تو اسے کنجوس، بخیل یا چھوٹا سمجھ لیتے ہیں کسی کو کسی خاتون کی تعریف کرتے دیکھتے ہیں تو اسے ٹھرکی سمجھ لیتے ہیں اور اگر کوئی اہم شخص کسی وقت ہمارے سلام کا جواب نہ دے یا پھر ہم سے جھک کر نہ ملے یا پھر ہمارا فون بند کر دے تو ہم اسے منافق کا ٹائٹل دے دیتے ہیں ہم اسے مغرور یا انا پرست سمجھ لیتے ہیں یا ہم کسی کو کسی حادثے کے وقت فرار ہوتے دیکھ لیں تو ہم اسے بزدل کمزور لوگوں کی فہرست میں ڈال دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں فقط یہ ایک لمحہ ہے یہ پوری شخصیت یا پوری زندگی نہیں اللہ تعالیٰ انسان کو موت کے دھانے تک توبہ کرنے، خود کو ٹھیک کرنے اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کا موقع دیتا ہے لیکن ہم دوسروں کی زندگی کا ایک لمحہ، ایک پہلو دیکھ کر نہ صرف رائے قائم کر لیتے ہیں بلکہ اس رائے کو حتمی بھی سمجھ بیٹھتے

ہیں اور یہ فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ اس ایک لمحے کے پیچھے خدا جانے کتنی خوفناک کہانیاں چھپی ہوں
یہ شخص ہو سکتا ہے ابھی اپنے کسی چاہنے والے کو دفنا کر آیا ہو اور اپنے حواس میں نہ ہو میں آج بھی
جب کسی کے بارے میں رائے قائم کرنے لگتا ہوں تو مجھے میرا وہ دوست یاد آجاتا ہے اور میں اپنی
رائے کی چار دیواری کھلی چھوڑ دیتا ہوں میں اس پر دروازہ اور تالہ نہیں لگاتا کیونکہ ہو سکتا ہے میری
رائے کی دیوار کے پیچھے کوئی اور کہانی چھپی ہو اور یہ کہانی مجھے مزید بے وقوف ثابت کر دے۔

خدمت خلق

خدمت خلق ہی سب سے بڑی نیکی، عبادت اور سراسر "تعمیر ملت" ہے۔ اس لیے اپنے مقدور واستطاعت کے مطابق ہمیشہ خدمت خلق کرتے رہو۔ یاد رکھو تمام قوم میں خدمت خلق کا جذبہ پیدا ہوگا تو بہت سے آدمی تمہاری بھی خدمت کریں گے اور تم کو مدد دیں گے۔ عوام کے لئے خدمت خلق کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی بڑا درجہ رکھتی ہیں، مثلاً کسی کو پانی پلا دینا، راستہ بتا دینا، بوجھ اٹھا دینا، راستہ سے پتھر یا کانٹے دور کر دینا معمولی باتیں نہیں ہیں۔ ان سے بڑے دوررس نتائج نکلتے ہیں۔ خواص اور صاحب استطاعت حضرات خدمت خلق کے ذریعہ ملک وقوم کو بے حد طاقتور بنا سکتے اور ترقی کے چرخ چہارم پر پہنچا سکتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کی ترقی کا راز اسی میں پوشیدہ ہے۔ لیکن خواص کی خدمات سے ملک وقوم کو فائدہ صرف اسی حالت میں پہنچ سکتا ہے جب کہ یہ خدمات خلوص کے ساتھ قومی بہبود کے لئے ہوں، ذاتی اعزاز وافتخار کے لئے نہ ہوں۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے اکثر زعماء اور امراء میں خلوص کا مادہ بالکل نہیں ہے۔

(اقتباس از تعمیر ملت مولفہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

گھر ایک تربیت گاہ

(مولانا وحیدالدین خان)

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یعنی تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے اچھا ہو اور میں تم میں سے اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہوں"۔ گھر کسی سماج کا ایک ابتدائی یونٹ ہے۔ جو کچھ زیادہ بڑے پیمانہ پر پورے سماج میں پیش آتا ہے وہی گھر کے اندر چھوٹے پیمانہ پر پیش آتا ہے۔ آدمی کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ باہمی تعلقات کے درمیان ہوتا ہے۔ ہر گھر گویا انہی تجربات کا ایک چھوٹا ادارہ ہے اور ہر سماج انہی تجربات کا ایک بڑا ادارہ۔ ہر عورت یا مرد جب اپنے اہل خانہ کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں تو ان کو کبھی خوش گوار تجربہ پیش آتا ہے اور کبھی ناخوشگوار تجربہ، کسی معاملہ میں ان کے اندر نفرت کے جذبات بھڑکتے ہیں اور کبھی محبت کے جذبات، کبھی وہ خوشی سے دوچار ہوتے اور کبھی ناخوشی سے، کبھی ان کی انا کو تسکین ملتی ہے اور کبھی اُن کی انا پر چوٹ لگتی ہے، کبھی حقوق کی ادائیگی کا موقع ہوتا ہے اور کبھی حقوق کے انکار کا موقع، وغیرہ۔

گھر کے اندر پیش آنے والی یہ مختلف حالتیں ہر ایک کے لیے اپنی تیاری کے مواقع ہیں جو لوگ ایسا کریں کہ وہ ہمیشہ اپنے شعور ایمان کو زندہ رکھیں، وہ اپنا احتساب کرتے ہوئے زندگی گزاریں، ان کو ہمیشہ آخرت کی پکڑ کا احساس لگا ہوا ہو۔ ایسے لوگوں کا حال یہ ہوگا کہ جب بھی مذکورہ بالا قسم کا کوئی موقع ان کے سامنے آئے گا تو وہ متنبہ ہو جائیں گے اور صحیح اسلامی روش اختیار کریں گے۔

جو عورت اور مرد اپنے گھر کے اندر اس قسم کی ہوش مندانہ زندگی گزاریں، ان کے لیے ان کا گھر ایک تربیت گاہ بن جائے گا۔ ان کے گھر کا ماحول انہیں ہر صبح و شام تیار کرتا رہے گا ان کی یہ زندگی اس بات کی ضمانت بن جائے گی کہ جب وہ گھر کے باہر سماجی زندگی میں آئیں تو وہ سماج

کے اندر بھی اسی طرح ایک حق پرست انسان ثابت ہوں جس طرح وہ اپنے گھر کے اندر حق پرست انسان ثابت ہوئے تھے۔ایک آدمی جو اپنے گھر کے اندر لڑتا جھگڑتا ہو وہ اسی طرز زندگی کا عادی بن جائے گا۔جب وہ اپنے گھر سے باہر آئے گا تو یہاں بھی وہ لوگوں سے لڑنے جھگڑنے لگے گا۔اپنے آفس میں اپنے کاروبار میں روزمرہ کی زندگی میں وہ دوسروں کے ساتھ بھی اسی طرح غیر معتدل انداز میں رہے گا جس طرح وہ اپنے گھر کے اندر غیر معتدل انداز میں رہ رہا تھا۔اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے گھر کے معاملات بھی بگڑ جائیں گے اور اس کے باہر کے معاملات بھی۔

اسی طرح کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے گھر کے اندر تو غیر مہذب انداز میں رہتے ہیں لیکن جب وہ باہر آتے ہیں تو دوسروں کے ساتھ ان کا روّیہ تہذیب اور شائستگی کا روّیہ بن جاتا ہے اس طرح وہ کوشش کرتے ہیں کہ دوسروں کی نظر میں اچھے بنے رہیں مگر یہ ایک منافقت ہے۔

کسی مسلمان پر جو دینی ذمہ داری ہے وہ صرف اس طرح ادا نہیں ہوجاتی کہ وہ مسجد میں پانچ وقت کی نماز پڑھ لے، رمضان کے روزے رکھ لے اور حج کر لے۔اس کے ساتھ ضروری ہے کہ لوگوں کے ساتھ اس کا اخلاق اچھا ہو انسانوں کے ساتھ سلوک میں وہ خدائی احکام کی پابندی کرتا ہو لوگوں کے درمیان وہ اس احساس کے ساتھ رہے کہ اس کو اپنے ہر قول اور ہر فعل کا جواب خدا کو دینا ہے۔

موجودہ دنیا کی زندگی امتحان کی زندگی ہے ایک طرح کی زندگی انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔اور دوسری طرح کی زندگی اس کو جہنم کا مستحق بنا دیتی ہے زندگی کی اس امتحانی نوعیت کا تعلق گھر کے اندر کے معاملات سے بھی ہے اور گھر کے باہر کے معاملات سے بھی۔

(بشکریہ: روز نامہ دنیا)

مسلمان کی زندگی میں وقت کی حقیقت

(عاصم علی یوسف)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو

1۔ اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے۔ 2۔اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے

3۔ اپنی خوشحالی کو اپنی تنگدستی سے پہلے۔ 4۔اپنی فراغت کو اپنی مشغولیت سے پہلے

5۔ اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔

اس حدیث نبوی ﷺ میں ایک مسلمان کو اس کی زندگی میں وقت کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے وقت جیسی قیمتی چیز کی اہمیت کے پیش نظر اللہ نے قرآن میں اس کی قسم کھائی ہے والعصر (زمانے کی قسم)۔ لمحات اور ساعات کے مجموعے کا نام زندگی ہے اور یہ زندگی بے معنی اور بے مقصد نہیں ہے۔انسانی زندگی میں وقت کی حیثیت فرصت عمل کی ہے یہ فرصت ومہلت ہمارے لیے محدود ومختصر ہے وقت روئی کے گالو کی مانند ہے، اگر اس کو عقل وحکمت کے چرخے میں کات کر اس سے قیمتی پارچہ جات بنالیں تو ٹھیک ورنہ جہالت کی آندھیاں اسے اڑا کر دور پھینک دیں گی۔

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

مسلمان کی زندگی کا ہر لمحہ قیمتی ہے ہر لمحہ ہماری تاریخ بنا سکتا ہے اور ہماری تاریخ بگاڑ سکتا ہے وقت کی سوئیاں مسلسل حرکت میں ہیں۔

جاوداں پیہم رواں، ہر دم جواں ہے زندگی

وقت ہمارے اعمال کا شاہد ہے، وقت اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے

وقت خدا کی امانت ہے اس کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مجرمانہ خیانت ہے۔

وقت کا خاموشی سے گزرتے چلے جانا:

وقت کے لمحات دیکھتے دیکھتے گزر جاتے ہیں، وقت کسی سے تکلف یا رعایت نہیں کرتا۔ بس دبے پاؤں اس طرح گزر جاتا ہے کہ آہٹ تک نہیں ہوتی۔

بقول مولانا رومؒ: "وقت ہمارے پاس اس طرح آتا ہے جیسے کوئی بھیس بدل کر اور تحفے لے کر آتا ہے اگر ہم اس تحفے سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو چپ چاپ اپنے تحفے ساتھ لے کر چلا جاتا ہے اور اس کا احساس ہمیں بعد میں ہی ہوتا ہے"۔

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے عمر یونہی تمام ہوتی ہے

زندگی کا مختصر وقت:

(ترجمہ) "جس روز یہ لوگ اسے دیکھ لیں گے تو انہیں یوں محسوس ہوگا کہ یہ بس ایک دن کے پچھلے پہر یا اگلے پہر تک ٹھہرے ہیں"۔ (سورہ النازعات)

وقت کا واپس آنا ناممکن ہے:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جونہی آنے والے دن کی پو پھوٹتی ہے تو وہ آواز لگاتا ہے: اے آدم کی اولاد! میں اللہ کی نئی تخلیق ہوں اور تمہارے اعمال کا گواہ ہوں۔ مجھ سے جتنا زادِ راہ لے سکتے ہو، لے لو، میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گا۔

اگر دولت ہاتھ سے جاتی رہے تو وقت اسے دوبارہ حاصل کرنے کا موقع دیتا ہے لیکن اگر وقت ہاتھ سے نکل جائے تو دنیا کی ساری دولت بھی اسے واپس نہیں لا سکتی وقت گنوا کر انسان خالی ہاتھ رہ جاتا ہے اور اس کمی کا تدارک ناممکن ہے۔

بقول شیخ سعدیؒ: "وقت دولت کی طرح ہے جس کا اصراف صحیح نہیں۔ یاد رکھو دولت تو تم کما سکتے ہو وقت میں اضافہ نہیں کر سکتے"۔

وقت کے لمحات مربوط ہیں:

وقت کا تانا بانا ہے ایک دفعہ ٹوٹ جائے تو جوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔

گیا ایک پل بھی جو غفلت میں چھوٹ　　تو مالا گئی ساتھ ہیروں کی ٹوٹ

لیکن عقل مندی یہی ہے کہ وقت کے سمندر کی لہریں گنتے ہوئے اگر کچھ کا شمار چھوٹ جائے تو ان کے غم میں باقیوں کو بھی نہ چھوڑا جائے۔

زندگی کا وقت ختم ہو جائے گا:

کتاب زندگی کے ورق برابر اُلٹ رہے ہیں ہر آنے والی صبح ایک نیا ورق الٹ دیتی ہے یہ اُلٹے ہوئے ورق برابر بڑھ رہے ہیں اور باقی ماندہ ورق کم ہو رہے ہیں اور ایک دن وہ ہوگا جب ہم اپنی زندگی کا آخری ورق الٹ رہے ہوں گے۔

"جوں ہی ہماری آنکھیں بند ہوں گی یہ کتاب بند ہو جائیگی"۔(القرآن)

"اور جب مہلت عمل پوری ہونے کا وقت آجاتا ہے تو اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیتا"(القرآن)

لمحات کا سفر تو جاری رہے گا مگر کردار و عمل کی مدت ایک خاص نقطے پر پہنچ کر ختم ہو جائے گی اور اس وقت ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔

ہمارا انجام وقت کی قدر پر منحصر ہے:

ہماری کامیابی اور ناکامی ہماری محرومی اور سعادت، وقت کی قدر شناسی سے عبارت ہے۔ وقت ہمیشہ آگے کی طرف رواں دواں رہتے ہوئے سب کو اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ جو وقت کی رفتار میں باہیں ڈال کر ہم قدم اور ہم آواز ہو جاتا ہے، ترقی اس کا مقدر ہے۔اس لیے وقت کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرنی چاہیے ایسا نہ ہو کہ وقت آگے نکل جائے اور ہم پیچھے کھڑے پچھتاتے رہیں۔(والعصران الانسان لفی خسر) یعنی خسران و محرومی ان لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے وقت کی قدر نہ کی اور ساری فرصتِ عمر برباد کر دی۔اگر ہم نے

امانتِ وقت کی قدر کی اور اسے فرصتِ عمل سمجھ کر ہر لمحے کو رائیگاں جانے سے بچاتے رہے تو زندگی اختتام کو پہنچ کر حسن عمل کی ایک تاریخ بن جائے گی اور ناقدری وقت بدنصیبی اور ماتم کی ایک حیرت انگیز تصویر ہوگی۔ بقول ارسطو "وقت ضائع کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا کرو کہ وقت بھی تم کو ضائع کر رہا ہے"۔ ہمارا وقت بالآخر یونہی گزر جائے گا اور انسان کا معاملہ عجیب ہے، جب مہلت عمل ختم ہوگی اور اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو وہاں بھی یہ بات کہے گا۔

(لو لا اخر تنی الی اجل قریب) کیوں نہ تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور دے دی۔

بامقصد لوگوں کی پہچان:

جن لوگوں کی زندگی بامقصد ہوتی ہے یقیناً وہ وقت کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اپنے عہدِ عروج میں پوری امت مسلمہ جن اچھے اوصاف کے لیے مشہور معروف تھی ان میں ایک صفت وقت کی پابندی بھی تھی۔ ایک مسلمان کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا اسوہ حسنہ موجود ہے وہاں ہر کام منظم ہے، ہر چیز کا ایک ایسا نظام الاوقات ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ صحابہ کرامؓ بھی اسی سنت کی پیروی کرتے تھے۔ تابعی عامر بن قیس سے ایک شخص نے کہا آؤ بیٹھ کر باتیں کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ پھر سورج کو بھی ٹھہرا لو۔

فتح بن خاقان، عباسی خلیفہ المتوکل کا وزیر اپنے پاس کوئی نہ کوئی کتاب رکھتا تھا سرکاری کاموں سے ذرا بھی فرصت ملتی تو کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیتا۔

البیرونی مرنے سے چند دنوں بیشتر ایک فقیہ سے جوان کی مزاج پرسی کے لیے آیا ہوا تھا علم الفرائض کا ایک مسئلہ پوچھ رہے تھے۔

امام فقہی الدین الرازی کہا کرتے تھے کہ کھانے پینے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے میں ہمیشہ اس پر افسوس کرتا ہوں۔

نپولین کا کہنا ہے "مجھ سے جو چاہو لے لو مگر وقت نہیں"

غرض دنیا میں آج تک جن باکمالوں نے نام پیدا کیا ہے انہوں نے ہمیشہ وقت کی

قدر کی، یہی وجہ ہے کہ وقت نے ان کو عزت اور شہرت کا تاج پہنایا۔

تاریخ کا یہ قولِ فیصل ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زوال کا عمل وقت کی ناقدری سے شروع ہوتا ہے۔زوال پذیر قوموں کے نزدیک وقت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور زندہ قومیں ایک ایک لمحے کو متاعِ جان سے زیادہ عزیز سمجھتی ہیں۔اس لیے لوحِ وقت کی جبین پر ان کا نام کندہ ہوجاتا ہے چونکہ وہ وقت کی قدر کرتی ہیں لہذا وقت بھی ان کی قدر کرتا ہے۔چینی اور جاپانی اقوام کی مثال ہمارے سامنے ہے۔

ہماری زندگی میں پابندی وقت:

امام غزالیؒ فرماتے ہیں وقت خام مسالے کی مانند ہے جس سے آپ جو کچھ چاہیں بناسکتے ہیں جس طرح ہم آمدنی کو خرچ کرنے میں منصوبہ بندی سے کام لیتے ہیں اس طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ سلیقے سے ہمیں وقت کو صرف کرنا چاہیے دولت کو فضول کون پھینکتا ہے اور وقت تو سب سے قیمتی دولت ہے۔

وقت کی منصوبہ بندی کا اشارہ ہمیں ایک حدیث سے بھی ملتا ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ عاقل جو عقل سے مغلوب نہ ہو اس کی چار ساعتیں ہونا چاہیں ایک ساعت جب وہ اپنے رب سے سرگوشی کرے۔ایک ساعت جب وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ایک ساعت جب اللہ عزوجل کی صفت میں تفکر کرے اور ایک ساعت جب وہ کھانے پینے کیلئے خالی ہوجائے۔

ہر ایک کو اپنے اندر پوشیدہ صلاحیتوں کا بخوبی ادراک ہونا چاہیے۔ان صلاحیتوں کے نکھار کے لیے اس کے پاس منصوبہ بندی ہونا چاہیے تا کہ وہ تحریک کے پلڑے میں ڈالی جاسکیں لکھنے،بولنے،پڑھنے مختلف شعبہ جات میں کچھ کر جانے کی صلاحیتیں ہر فرد میں ہوتی ہیں ان صلاحیتوں کی نشو ونما کے لیے ضروری ہے کہ تنظیم کا ہر رکن مختلف علوم پر کامل دسترس رکھتا ہو۔اس کی بات اور دلائل میں گہرائی پختگی اور وزن ہو۔

ادب تاریخ،مذاہب،حالات،حاضرہ پر اس کی نظر ہو۔تحریک کے مراحل چیلنجز اور

مسائل کے متعلق اس کی رائے ہو۔الغرض اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمے داری کے تقاضوں کی فہرست بنائی جائے تو بہت طویل ہو جائے گی۔ان تقاضوں کو سامنے رکھ کر ایک فرد اپنی شخصیت کی تعمیر کی منصوبہ بندی کرے اور پھر عملی محاذ پر دعوت کے پھیلاؤ اور معاشرے میں اثر ونفوذ میں توسیع کے لیے ہونے والی جدو جہد میں شریک ہونے کی منصوبہ بندی کرے تو وقت اس کو کم محسوس ہوگا کجا یہ کہ وہ اسے بے دردی سے خرچ کر ڈالے اور اس کا جائزہ تک نہ لے کہ کتنا وقت یونہی بے مصرف گزر گیا۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث کے مطابق اگر ہم اپنے آنے والے کل کو آج سے بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو وقت کی پابندی و منصوبہ بندی اس کام کی بنیاد قرار پاتی ہے۔

اگر ہم زمانہ طالب علمی ہی میں وقت کی اہمیت کا احساس کریں گے تو اس کا یقینی نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقبل میں ہم کامیاب اور ذمے دار فرد بن سکیں گے۔ذاتی طور پر ہماری زندگی الجھنوں اور جھمیلوں سے بڑی حد تک پاک ہوگی۔بقول افلاطون: " وقت ایک ایسی زمین ہے جس میں محنت کیے بغیر کچھ پیدا نہیں ہوتا اگر محنت کی جائے تو زمین پھل دیتی ہے اور اگر بیکار چھوڑ دی جائے تو اس میں صرف خاردار جھاڑیاں ہی اگتی ہیں"۔

بلا عذر روزہ نہ رکھنا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے (شرعی) عذر، (مرض) کی مجبوری کے بغیر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا اگر وہ ساری عمر (بھی) روزے رکھے تب بھی اس کی قضاء نہیں ہوسکتی۔

(مشکواۃ المصابیح)

''خطاب بہ جاوید'' (سخنے بہ نژادِ نو)

(انتخاب : شہزاد محمود)

علامہ اقبالؒ کی یہ نظم ''جاوید نامہ'' کے دوسرے بند فارسی متن ترجمہ اور کسی قدر تشریح:

مادرت درسِ نخستیں باتو داد غنچۂ تو از نسیمِ او کشاد!
از نسیمِ او ترا ایں رنگ وبُوست اے متاعِ ما بہائے تو از وست
دولتِ جاوید ازواندوختی از لبِ او لا الٰہ آموختی
اے پسر! ذوقِ نگہ از من بگیر سوختن در لا الٰہ از من بگیر!
لا الٰہ گوئی؟ بگواز روئے جاں تا زاندامِ تو آید بوئے جاں!
مہر ومہ گرد دز سوزِ لا الٰہ دیدہ ام ایں سوز را در کوہ و کہ!
ایں دو حرف لا الٰہ گفتار نیست لا الٰہ جز تیغ بے زنہار نیست!
زیستن باسوزِ او قہاری است
لا الٰہ ضرب است وضرب کاری است!

(1) بیٹے! پہلا سبق تجھے تیری ماں نے دیا اور تیرا غنچہ اس کی نسیم سے کھلا۔ مراد یہ ہے کہ تیری پہلی تربیت گاہ ماں کی گود تھی جس نے لوریاں دے دے کر تیرے کانوں میں ''لا الٰہ'' کا رس گھولا۔

(2) یہ تیرے اندر جو رنگ و بو ہے یہ سب ماں کی نسیم سے ہے۔ اے میری متاعِ عزیز! تیری قیمت ماں کی تربیت سے ہے کہ اسی کی تربیت نے وہ کچھ بنایا ہے، جو تو اب ہے۔

(3) تو نے ایمان اور اسلام کی ہمیشہ رہنے والی دولت اسی سے حاصل کی ہے تو نے یہ ''لا الٰہ'' ماں کے ہونٹوں سے سن کر سیکھا ہے۔

(4) اس کا جو کام تھا، وہ اس نے کر دیا۔ اے بیٹے! اب نگاہ کا ذوق مجھ سے حاصل کر۔

لا الــہ (کلمۂ توحید) تو تُو نے ماں سے سیکھ لیا ہے اب لا الــہ کی آگ میں جلنا مجھ سے سیکھ۔ مراد یہ ہے کہ لا الکو قال (محض گفتگو) سے گزار کر حال (قلبی کیفیت) بنانے کا گر مجھ سے سیکھ۔

(5) اگر تو لا الــہ کہتا ہے تو پوری روحانی قوت سے کہہ، تا کہ تیرے جسم سے روح کی خوشبو آئے زبان سے کلمۂ توحید ضرور پڑھ، مگر دل سے اس کا اقرار بھی کر۔ کلمۂ توحید کی روح کو اپنے اندر بسا کر اس کے مطابق زندگی بسر کر۔ تیرا ہر رنگ اور تیرا ہر بال توحید کی گواہی دے، یہ ہے کلمۂ توحید کے پڑھنے اور اس کے اقرار کا مقصد۔

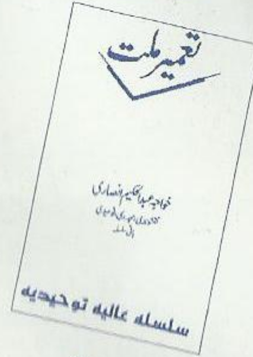
(6) چاند اور سورج لا الــہ کے سوز سے گردش کرتے ہیں۔ میں نے اس سوز کو پہاڑ اور تنکے میں یعنی کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز میں دیکھا ہے یہ ہے وہ نکتۂ توحید جس کے گرد ہر چیز دائرے کی طرح گھومتی ہے۔

(7) یہ دو حرف "لا الــہ" (کوئی نہیں معبود، سوائے اللہ کے) محض گفتگو نہیں ہیں۔ بیٹے یاد رکھ یہ "لا الہ" بے زنہار تلوار کے سوا کچھ نہیں۔ (بے زنہار تلوار کو شمشیر جو ہر دار بھی کہتے ہیں۔ یہ ایسی تلوار ہوتی ہے جس سے کسی کو پناہ نہ مل سکے جس کے وار کو روکا نہ جا سکے۔)

(8) لا الہ ایک ضرب ہے اور کاری ضرب ہے یعنی زبان سے "لا الہ" کہہ کر یہ سمجھ لینا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں درست نہیں ہے۔ آدمی مسلمان اس وقت ہوتا ہے جب وہ توحید کا دل سے اقرار کرنے کے بعد پہلے خود پر اسے نافذ کرتا ہے اور پھر دوسروں پر اس کا رنگ جماتا ہے۔

اس بند میں یہ بتانے کے بعد کہ "لا الـہ" کی دولت تو نے اپنی مشفق ماں کی آغوش میں رہ کر حاصل کی اقبالؒ کہتے ہیں کہ لا الہ کی آگ میں جلنے کا سبق تو مجھ سے سیکھ لیکن یہ سبق تیری سمجھ میں اس وقت آئے گا جب تو ذوق نگاہ کی دولت بیدار مجھ سے حاصل کریگا۔ علامہ اقبالؒ بڑے لطیف ایمانی انداز میں یہ بتاتے ہیں کہ "لا الہٰ" کے سوز سے سورج اور چاند گردش کرتے ہیں اور کوہ و ماہ میں اس کے سوز کا عکس نظر آتا ہے اے بیٹے! "لا الــہ" کے ان دو لفظوں کو محض گفتار مت سمجھ۔ ان میں شمشیر جو ہر دار کی قوت ہے۔ "لا الہٰ" نہ صرف ضرب ہے بلکہ ضرب کاری ہے۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہٰذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



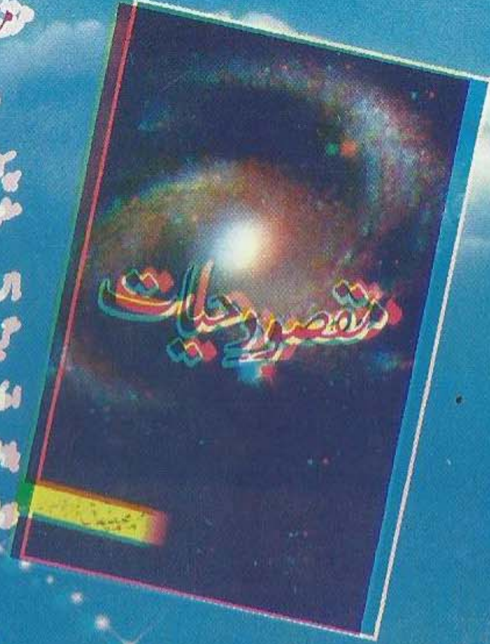
وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

مقصودِ حیات

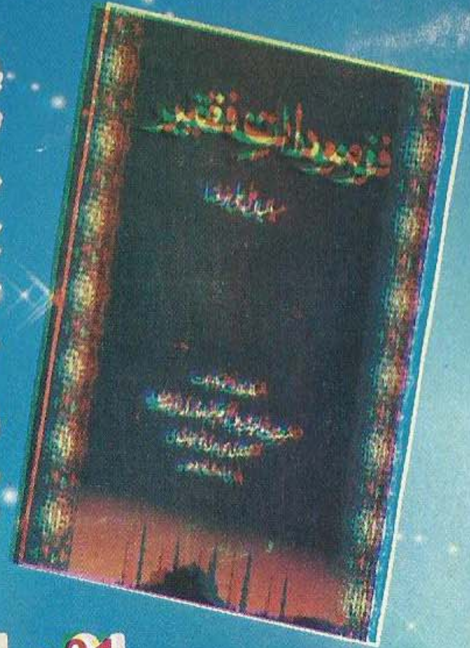
مصنّف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)



یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلا شبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہِ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں اعلیٰ رضا



بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خانؒ کی سوانح حیات کیساتھ اس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: CPL - 01

Website:www.toheedia.net